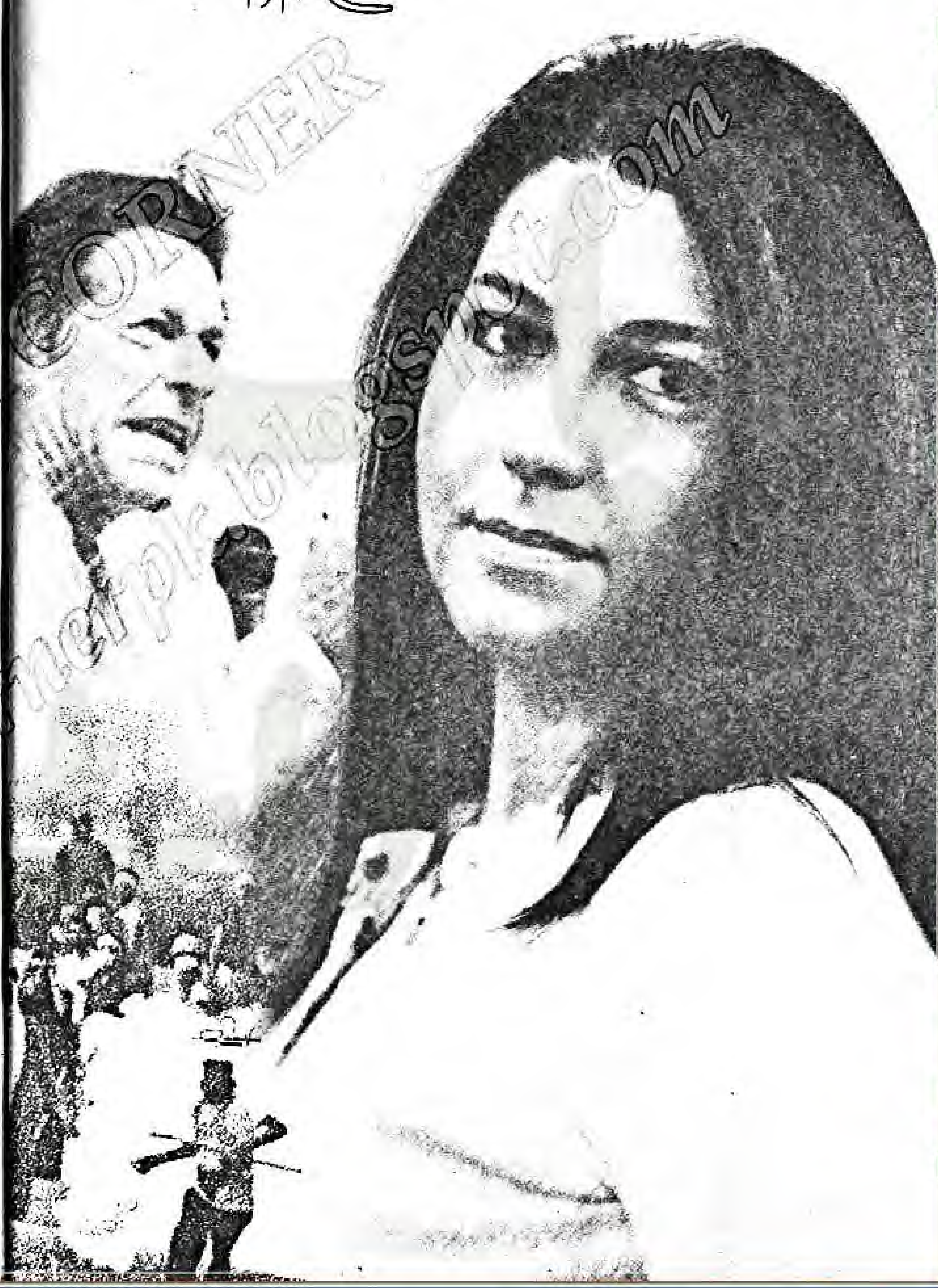
روشنی کی خواہش میں

ام مریم



روشنی کی خواہش میں

ام مریم



یکم اگست 2014ء
بنے گا نیا پاکستان
فلاح حیدر
کپتان کی طرف سے تمام سچے پاکستانیوں کے
نام
فرض کریں جنت کہیں نہیں ہے
آپ کوشش کریں تو یہ مشکل کام نہیں
ہمارے پاؤں کے نیچے کوئی دوزخ نہیں
سر کے اوپر آسمان ہے
فرض کریں سب لوگ لمحہ موجود میں زندہ رہیں
گے
فرض کریں یہاں اچھائی کی حد بندیاں نہیں
یہ کوئی مشکل کام نہیں
کسی کو قتل کرنے کسی کو مارنے کی ضرورت نہیں
فرض کریں سب لوگ امن کی زندگی بسر کرتے
ہیں

آپ کہہ سکتے ہیں میں خواب دیکھ رہا ہوں
لیکن میں تنہا نہیں ہوں
مجھے امید ہے کسی روز آپ بھی میرے ہم آواز
ہوں گے
ور ہمارا ملک یک جان یک قالب ہوگا
پ یہ کام کر سکتے ہیں
ع اور بھوک کا کوئی خوف نہیں
نوح آدم کے درمیان بھائی چارہ ہے
رض کریں
رض کریں
اگست میں انقلابی مارچ اور انقلابی دھرنے کا
عزم پختہ......ساتھ نبھانے کی خواہش کا اظہار)

☆☆☆

ں تو دیکھوں گا
م بھی دیکھو گے
جب روٹی سستی ہوگی

مکمل ناول



اور مہنگی ہو گی جاں
میں تو دیکھوں گا
تم بھی دیکھو گے

بیگ ہاتھ میں لئے دوسرے ہاتھ سے ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے اس نے کمرے میں قدم رکھا تھا تو مدھم مگر پرعزم پر یقین اور پر استقلال آواز نے اس کی تھکی ہوئی بے زار کن سماعتوں پہ اس کی مرضی و خواہش کے برعکس بہت ہولے سے بہت غیر محسوس انداز میں امید افزا تھپکی دی تھی، مگر کمرے کا گرم ماحول اور حبس اس کے تھکے ماندے اعصاب پہ مزید کشیدگی اور تناؤ طاری کرنے کا باعث بن گیا۔

''اے سی کیوں بند کر رکھا ہے؟ جبکہ لائٹ بھی ہے۔'' اس کا استفہامیہ لہجہ استعجابی ہو گیا، نظریں فلاح کی جانب اٹھ گئیں، جو ہاتھ کی پنکھی سے عبدالسمیع کو ہوا دینے میں مصروف تھی مگر نظریں ٹی وی اسکرین پہ جمی ہوئی تھیں، اس سوال پہ لمحہ بھر کو نگاہوں کا زاویہ بدل کر اسے دیکھا مگر حیدر کو اے سی آن کرتے پا کر بے اختیار چیخ پڑی۔

''ارے...... رے...... کیا کر رہے ہیں؟''

عبدالسمیع اس کی اس چیخ نما فریاد پہ اس کی گود میں کسمسایا تو اسے تھپکتی وہ جھلا کر حیدر کو گھورنے لگی، جو پلٹ کر اب اسے تنبیہی تادیب بھری نظروں سے گھورنا شروع کر چکا تھا۔

''کیا مسئلہ ہے تمہارا بیوی؟''

''ادھر بیٹھیں آ کے...... اے سی نہیں چلے گا، میں آپ کو ہاتھ سے ہوا دیتی ہوں نا۔'' وہ واقعی اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ بیڈ کی جانب کھینچ لائی تھی، حیدر کی حیرت دوچند ہونے لگی۔

''بٹ وائے فلاح! اے سی میں اگر فالٹ آ بھی گیا تھا تو مجھے بتا دیتیں فون کر کے مگر تب تک پنکھا تو آن کرتیں تم۔'' اس کی خاک سمجھ میں نہیں آ سکی تھی کوئی بھی وجہ اس مشقت کی، فلاح نے جیسے عاجز ہو کر گہرا متاسفانہ قسم کا سانس بھرا اور ہاتھ سے ٹی وی کی جانب اشارہ کرتے والیوم بھی دانستہ بڑھا دیا۔

''ادھر دیکھیں...... کبھی نیوز بھی سن لیا کریں، بندہ اپ ڈیٹ ہی رہتا ہے، کپتان ہماری وجہ سے یہ مشقت جھیل رہے ہیں، اگر وہ گرمی میں جھلس کر ہماری خاطر ہمارے حقوق کی جنگ لڑ سکتے ہیں تو ہم کیوں نہیں ان کی خاطر اتنا سیکری فائز کر سکتے حیدر......!'' وضاحت طویل تھی، حیدر کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں، جن سے خفگی اضطراب اور بے چینی چھلکنے لگی تھی، مگر فلاح نہیں دیکھ سکی، اس کی گود میں بچہ تھا، نظریں ٹی وی اسکرین پہ موجود عمران خان پہ...... جو اپنی ازلی خوبروئی کے ساتھ اپنے جانثاروں کے ہمراہ سڑکوں پہ انقلابی مارچ کا نعرہ بلند کرتے نکل کھڑے ہوئے تھے، وہ ہونٹ بھینچے بیٹھے کا بیٹھا رہ گیا، یہ خطرہ یہ اضطراب پھر سے اٹھ کھڑا ہوا تھا، وہ زندگی میں اگر سب سے زیادہ کسی سے خائف رہا کرتا تھا، تو وہ عالی شان کپتان عمران خان ہی تھے، وجہ ظاہری بات ہے، فلاح حیدر کی ان کی ذات میں غیر معمولی دلچسپی تھی، اس کی جتنی جان جلتی فلاح اس قدر کپتان کی فیور کیا کرتی، ان کے درمیان متعدد بار اس موضوع پہ تلخی بھی ہو چکی تھی، مگر دونوں پھر بھی اپنے اپنے موقف پہ قائم تھے، حیدر نے پڑھ رکھا تھا اور اسے یہ کبھی بھولتا نہیں تھا، کہ بڑی عمر کا مرد اگر بہت زیادہ خوبرو بھی ہو اور باوقار بھی تو کم عمر لڑکیوں کے لئے بے پناہ اٹریکشن کا باعث لازمی ٹھہرتا ہے، وہ جتنا بھی کپتان سے خار کھاتا تھا مگر کبھی کھل کر ان سے نفرت ظاہر نہ کر سکا، کہ اس کی انا اجازت

نہیں دیتی تھی فلاح کے سامنے اس کے اظہار کی، اس وقت بھی اس کے اعصاب جھنجھلاہٹ بھرے تناؤ کا شکار ہوتے چلے گئے تھے، منہ میں گویا کونین گھل گئی۔

''اٹھو...... اے سی آن کرو، میں گرمی سے بے حال ہوں، تمہیں ہری ہری سوجھ رہی ہیں۔'' وہ بولا تو اس کا لہجہ اس کا انداز بے حد برہمی بے حد تنفر سموئے ہوئے تھا، مگر فلاح نے یا تو سمجھا نہیں یا دانستہ نظر انداز کر دیا۔

''آپ کو ہوا چاہیے ناں؟ میں دے رہی ہوں۔'' فلاح کی ضد بھی انوکھی تھی، اس کا ہاتھ پکڑ کر بستر پہ بٹھایا اور زور و شور سے پنکھی جھلنے لگی، حیدر کا جھلاہٹ کے ساتھ کوفت اور تلخی سے بھی برا حال ہو کر رہ گیا۔

''تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے فلاح؟ حد ہوتی ہے کسی بھی حماقت کی، وہ بندہ پاگل ہے، اس کا مطلب ہے تم بھی......'' غصے میں طیش میں ابلتے ہوئے حیدر نے پنکھی اس سے چھین کر دور اچھال دی اور خود اسے جارحانہ نظروں سے گھورنے لگا، فلاح نے ٹھٹک کر، بلکہ صدمے میں گھر کر اسے دیکھا اور کچھ دیر تلک یونہی دیکھتی رہی تھی۔

''آپ کپتان کو پاگل کہہ رہے ہیں؟ اور ہم سب آپ کو احمق لگتے ہیں؟'' وہ بولی تو اس کی آواز پہ یاسیت کا رنج کا غلبہ تھا، حیدر اسے درشتی سے گھورنے میں مصروف رہا۔

''ہم بل دیتے ہیں فلاح اور......'' اس کی آنکھوں میں مچلتے آنسوؤں کو دیکھتا وہ نا چاہتے ہوئے بھی مفاہمت آمیز وضاحت پہ مجبور ہوا تھا کہ فلاح نے ہاتھ اٹھا کر ٹوک دیا۔

''بیشک...... مگر انقلاب یونہی نہیں آ جایا کرتے ہیں حیدر! قربانی دینی پڑتی ہے، خود کو مارنا شرط ہے، آپ سسٹم کا حصہ نہ بنیں، آپ کو مراعات حاصل ہیں، جاب بہترین ہے، سیلری پرکشش ہے، پھر بھلا کیا پرواہ......؟ ہر شے جو پہنچ میں ہے، جو چاہا خریدا جو چاہا کھایا پیا اور اسی عیش میں سو گئے، حیدر...... آپ نے تھر کے علاقے کی بھوک دیکھی ہے؟ آپ نے کھارے پانی کا ذائقہ بھی نہیں چکھا، آپ کو کبھی آٹے کے ایک تھیلے کی خاطر دن بھر لائن میں کھڑے بھی نہیں ہونا پڑا، یا وہاں سے واپسی پہ اپنے کسی پیارے کی لاش کو جو وہاں کی بھیڑ میں کچلی گئی ہو...... اپنے غم سے بوجھل دل سے بھوک سے سکڑے پیٹ سے نہیں لگایا، آپ کو ایک رکشہ ڈرائیور کی اس مایوسی کا بھی اندازہ نہیں ہو گا، جو سرد راتوں میں پیٹرول یا سی این جی کے لئے گھنٹوں قطار میں انتظار کرتا اور باری آنے پہ پیٹرول ختم ہونے کے اعلان سمیت خالی لوٹنا پڑا ہو، جبھی آپ کو نہیں احساس کہ انقلاب کی اہمیت کتنی بڑھ گئی ہے، انقلاب اتنا ضروری کیوں ہو گیا ہے، حیدر صاحب آپ نے آج تک کسی معمولی خطا پہ بوری میں بند ملنے والی اپنے کسی عزیز کی لاش کبھی وصول نہیں کی، چھوٹی سے لے کر بڑی سطح پہ ملک میں ٹھہر جانے والی کرپشن کا عالم کیا ہے آپ کو اس سے کیا لینا دینا۔'' وہ جذباتی تھی ہمیشہ سے، جبھی اس وقت بھی جذبات کی رو میں بہہ گئی تھی، جبھی اس کی آنکھوں میں آنسو تھے، اور اس کا گلا بھرایا جا رہا تھا، یہ حیدر کا اس کے لئے ہمیشہ سے خیال تھا، جو ہمیشہ غصہ ہی دلاتا تھا، تپ ہی چڑھاتا تھا، سو اس وقت بھی اسے غصہ چڑھا تھا، تپ چڑھی تھی، ایسے میں وہ بھی کبھی لحاظ نہیں رکھتا تھا۔

''یہ سب تکلیفیں تو تمہیں بھی کبھی سہنا نہیں پڑی ہیں، پھر یہ اتنا درد کیوں اٹھ رہا ہے تمہیں؟'' وہ بولا تو اس کا لہجہ طنزیہ ہی نہیں خار

کھایا ہوا بھی تھا، اس نے آگے بڑھ کر اے سی بھی آن کر دیا تھا، اب وہ کوٹ اتار کر شرٹ کے بٹن کھول رہا تھا، فلاح کا دکھ سے رنج سے برا حال ہوا تھا جیسے، کچھ دیر وہ یونہی آنکھوں میں آنسو بھرے اسے دیکھتی رہی تھی۔

''آپ نے ٹھیک کہا ہے حیدر صاحب! یہ سب محرومیاں رب نے مجھے نہیں دیں، کپتان کو بھی نہیں دیں، انہوں نے بھی کبھی ان مسائل کا سامنا نہیں کیا ہوگا، مگر اللہ نے انہیں اور مجھے بھی اس بے حسی سے ضرور بچالیا ہے، احساس اور درد کی دولت عطا فرمائی ہے، جبھی وہ قوم کے تحفظات اور حقوق کی جنگ لڑ رہے ہیں وہاں باہر...... اور میں ان کا ساتھ دینے کی کوشش کر رہی ہوں، کہ جتنی جس کا بساط اتنی سعی اس پہ لازم ٹھہری، ایمان کے پہلے درجے پہ کپتان میں چاہے تیسرے پہ سہی مگر ہوں ضرور آپ اپنا موازنہ کرلیں، دنیا بہرحال چند روزہ ہی ہے۔''

ان کی بحث ایک بار پھر جھگڑے کا روپ دھارنے جا رہی تھی، حیدر کا طیش میں سرخ پڑتا چہرہ گواہ تھا وہ اس پل کتنا برہم کس درجہ مشتعل ہو چکا ہے۔

''سب جانتا ہوں جتنا درد اور احساس بھرا ہوا ہے اس کپتان کے دل میں...... ارے بے وقوف بنا رہا ہے وہ تم جیسے سب احمقوں کو، محض اقتدار کی ہوس ہے اسے بھی، اچھی اچھی باتیں کر کے فورس بڑھا رہا ہے اپنی، اس وقت رنگ ڈھنگ دیکھنا اس کے جب کرسی پہ بیٹھے گا، ایسے لوگ بہت کم قیمت پہ بھی بک جاتے ہیں، پھر ساری بک بک بھی بند ہو جاتی ہے، آفر تو آنے دو کوئی اسے۔''

یہ تنفر، یہ وثوق، یہ بدگمانی...... اللہ اللہ!

فلاح اسے کچھ دیر ساکن متاسفانہ نظروں سے دیکھتی رہی، پھر متاسفانہ گہرا سانس بھرا تھا۔

''سب ایک جیسے نہیں ہوتے ہیں حیدر کرار صاحب، کپتان بکنے والے نہیں ہیں، نہ محض گفتار کے غازی، الحمدللہ ان کا ماضی شفاف ہے، ورنہ انہیں جس انداز میں رگیدا جاتا تھا سب جانتے ہیں، ورلڈ کپ 92 میں انہیں ایسی آفرز ہوئی تھیں، یہاں تک کہا گیا تھا کہ فائنل نہیں جیتنا اور ایسا اس وقت کی گورنمنٹ نے ہی کہا تھا، مگر نڈر بے باک قیادت کے حامی کپتان نے کسی قسم کا پریشر لینے اور دھمکی کی پرواہ کیے بغیر شان سے فتح حاصل کی تھی اللہ کے حکم سے تاریخ گواہ ہے کہ یہ سب واقعات بعد میں بھی دہرائے گئے، خاص کر 99 کے ورلڈ کپ فائنل میں، بھی قیادت کو ایسی صورتحال درپیش ہوئی تو اس وقت کا کیپٹن کپتان جیسی جرأت مندی کا مظاہرہ نہ کر سکے اور فتح سے ہمکنار ہونے کی بجائے بھونڈی شکست قبول کر لی، تجزیہ نگاروں کے مطابق پاکستان نے پلیٹ میں سجا کر ورلڈ کپ آسٹریلیا کو پیش کیا تھا، اس کے علاوہ کپتان نے مزید قوم سے محبت و اپنائیت کا اظہار کیا ہاسپٹل......''

''اچھا اچھا بس...... کان پک چکے ہیں میرے ان قصیدوں کو سن کر، کھانے کو اگر کچھ بنایا ہے تو لے آؤ، امید واثق ہے کہیں کپتان کے درشن کے چکروں میں کھانا بھی گول نہ ہو گیا ہو۔''

حیدر نے ناگواری سے ٹوک دیا تھا، فلاح کو غضب کا اختلاف ہوا تھا، حیدر آخری فقرے پہ، وہ ایسے ہر لمحے روہانسی ہوئی مرنے مارنے پہ بھی اتر آتی تھی، جب حیدر کپتان کے حوالے سے اس پہ ذرا برابر بھی شک کرتا تھا، وہ نہیں سمجھ سکتا تھا شاید کبھی بھی کہ کپتان اس کے لئے کتنے معتبر کسی درجہ قابل احترام تھے۔

☆☆☆

فلاح حیدر...... 2 اگست 2014ء

فیلنگ سیڈ

علامہ طاہر القادری ٹو پاکستان عوامی تحریک

مجھے ایک دل کی تلاش ہے
جس میں میرے لوگوں کے سکھ سانس لے سکیں
سیاستدانوں کے دل نہیں ہوتے
میرے لوگ امن اور انصاف کے بغیر پیدا ہوتے ہیں
زندہ رہتے ہیں اور مر جاتے ہیں
ہم نے اپنے حق میں بولنا چاہا
ہماری آوازیں ہمارے حلقوم سے چپکا دی گئیں
ہم وہ لوگ ہیں حکمران جن سے جمع تفریق کا کھیل کھیلتے ہیں
کانچ کی آنکھ میں بصارت نہیں اگتی
میرے پاس گیت ہے آواز نہیں
تمہارے پاس گیت ہے آواز نہیں
آؤ اس گیت کو مل کر گائیں
کیونکہ پرندے گانا بھول چکے ہیں
میں انہیں امن کا گیت سنانا چاہتا ہوں
اور مجھے داد میں نفرت ملتی ہے
شاید میرے لوگ موت سے غلامی سے سمجھوتہ کر چکے ہیں
آؤ...... ہم بھی موت کے پروانے پر دستخط کریں
شاید اسی طرح ہم اپنے لوگوں کے لئے انصاف اور آزادی خرید سکیں

☆☆☆

جیتنا وئی عمران خان جیتنا
دوجیاں جماعتوں فیر بڑا پیٹنا

وہ محو و مگن تھی، برتن دھو دھو کر ریک پہ رکھتی گنگنانے میں مصروف مگر حیدر کی کھنکار پہ خاموش تو ہوگئی، البتہ نہ پلٹی، نہ اسے دیکھا، نہ اپنا کام ترک کیا۔

''یار کب تک فارغ ہوگئی تم؟'' وہ بولا تو اس کا لہجہ ہر قسم کی رنج سے پاک صلح جو تھا، دوستانہ بے تکلفانہ۔

''کام بتا دیں، ہو جائے گا۔'' قدرے توقف سے اس نے بے حد نروٹھے پن سے جواب دیا تھا، دوسری جانب یکلخت خاموشی چھا گئی اور اتنی مہیب اور گہری کہ تاخیر سے سہی مگر محسوس کر کے اسے چونک کر پلٹنا پڑا تھا، مگر حیدر کی نظروں کی گہرائی نے اسے سٹپٹانے پہ مجبور کر دیا تھا گویا، وہ جانتی تھی، وہ کب اسے ایسے دیکھا کرتا تھا۔

''چھوڑ دو کام سب، کمرے میں آ جاؤ بس۔''

''میں نہیں جاؤں گی، آپ نے ٹی وی اور اے سی چلا رکھا ہے۔'' خود کو سنبھال کر اس نے ہاتھ دھوئے اور نل بند کر دیا، انداز ہنوز احتجاجی تھا، حیدر نے کسی قدر تنک اٹھنے والے انداز میں اس کا بازو دبوچ لیا۔

''ٹی وی تو تم بھی سارا دن چلاتی ہو، مجھ پہ اتنی پابندیاں کیوں؟'' وہ بے حد خفا نظر آنے لگا۔

''مگر میں آپ کی طرح صرف جیو نیوز نہیں دیکھتی، جہاں پر جھوٹی خبروں اور کپتان پہ الزامات اور تمسخر کے علاوہ کچھ نہیں دکھایا جاتا، میرا خون کھولنے لگتا ہے۔'' وہ بپھر کر بولنے لگی، اسے وہ تمام خاکے ازبر تھے گویا جن میں کپتان کو بہت سطحی اور فضول انداز میں تضحیک کا نشانہ بنایا گیا تھا، حد تھی یعنی ڈھٹائی کی بھی اور منتقمانہ طرز عمل کی بھی، وہ سخت برہم اور خلاف ہو چکی تھی جیو کی اس تنگ سوچ اور کم ظرفی پہ، حیدر البتہ محظوظ ہو کر ہنسنے لگا تھا۔

''کم آن یار...... اتنی فیور نہ کیا کرو کپتان

کی بخت جیلسی ہونے لگتی ہے مجھے، حد ہے یعنی، ہمیں رقیب بھی ملا تو اپنے سسر کی عمر کا۔'' وہ منہ لٹکا کر کہہ رہا تھا، پھر اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر زبردستی اپنے ساتھ گھسیٹا، فلاح کو اتنا غصہ آیا تھا جبھی زبردستی اس کا ہاتھ زور سے دور جھٹک دیا تھا۔

''چھوڑیں مجھے......اور بات سنیں کسی کو نیچا دکھا دینے سے وہ نیچا نہیں ہو جاتا، ہاں البتہ ایسا کرنے والوں کی ذہنی سطح ضرور آشکار ہو جایا کرتی ہے، جیو کا بھید جو کھول دیا لوگوں پہ کپتان نے.....حکومت کا ہمنوا ہے جیو، اس سے پیسے لیتا ہے، اسی کی فیور میں بولتا ہے، کپتان کے ساتھ دیئے والی دھاندلی میں اس نے بڑا ساتھ دیا موجودہ گورنمنٹ کا، اب اگر کپتان نے یہ بھانڈا پھوڑ دیا ہے تو ہاتھ دھو کر کپتان کے پیچھے پڑ گیا، جبکہ جاننے والے جانتے ہیں کپتان کا کردار کتنا شفاف رہا ہے، جہاں تک کپتان کی بات ہے تو کچھ پانے کو بہت کچھ کھونا لازم ٹھہرتا ہے، ایسے لوگوں کے لئے میرے پاس دو ہی مثالیں ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مثال، ان پہ نبوت کے اعلان کے بعد زندگی کو ہر طرف سے مشکل بنا دیا گیا تھا اور دوسری مثال قائداعظم محمد علی جناح کی مثال، ان پہ بھی تحریک کے جواب میں الزامات کی بھرمار کر دی گئی تھی، مگر دونوں ہستیاں ہی اللہ کے حکم سے سرخرو رہیں، انہی کا نام آج تک تاریخ میں سنہرے حروف سے لکھا گیا ہے، ان کے دشمن اور مضحکہ اڑانے والے ذلیل و رسوا ہوتے ہیں۔'' وہ بے حد ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہہ رہی تھی، حیدر نے ابرو چڑھا کر اسے بے حد تادیبی نظروں سے گھورا۔

''تم کپتان اور قائد کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملا رہی ہو، شیم آن یو۔'' اس کا لہجہ الزامیہ اور ملامت زدہ تھا، فلاح تھرا سی گئی، اس نے زخمی نظروں سے حیدر کو دیکھا تھا۔

''محترم......آپ کی سمجھ دانی کا قصور ہے، میں نے محض ان کی مثال پیش کی ہے، ملایا نہیں ہے، حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان اور جو رتبہ ہے وہ کسی کا نصیب نہیں ہو سکتا، نہ کوئی ایسا سوچ سکتا ہے، مقاصد واضح کیئے ہیں کہ نیک مقاصد حاصل کرنے کو قربانی دینا شرط ٹھہرتی ہے، جتنا بڑا کسی کا درجہ اس قدر بڑی آزمائش اور بات سنیں، کپتان کے لئے یہ ورڈیوز کرتے آپ کو شرم آنی چاہیے وہ میرے باپ کے برابر ہیں ان سے کم محترم کیسے ہو سکتے ہیں، ایک تو نون لیگوں کا یہ بڑا مسئلہ ہے کہ ہر بات کو اپنے محدود سے ظرف اور ذہنی سطح کے مطابق ہی سمجھتے ہیں۔'' وہ سخت نالاں سخت جز بز تھی جیسے، حیدر ہلکا پھلکا ہو کر ہنستا چلا گیا۔

''اچھا اچھا غصہ تھوک دو میری جان! عرف دھان پان آؤ ناں اندر چلیں...... وعدہ جیو نہیں دیکھوں گا، کوئی اور چینل دیکھوں گا ٹھیک؟'' وہ گویا اسے قائل کر رہا تھا، فلاح کے تاثرات میں البتہ تبدیلی نہیں آ پائی۔

''میری بلا سے، دیکھیں نہ دیکھیں۔'' اس نے ناک سکوڑی، حیدر نے مسکراہٹ دبا کر شریر نظروں سے اسے دیکھا۔

''پھر تو مسئلہ ہی نہیں کوئی...... آ جاؤ شاباش۔'' اس نے فلاح کا بازو پھر گھسیٹ لیا، وہ چیخی تو سہی مگر بچاؤ نہیں کر سکی تھی۔

☆☆☆

13 اگست

فلاح حیدر

فیلنگ ہوپ فل

جب تو آئے گا عمران

سب کی شان بڑھے گی

اس قوم کی شان

بنے گا نیا پاکستان

طبیعت کی خرابی کے باوجود کپتان کا عزم و استقلال، منزل کی جانب پیش قدمی، امیدیں جوان انشاء اللہ بنے گا نیا پاکستان، جس میں روٹی سستی ہوگی، انصاف ناقابل پہنچ نہ ہوگا، جان قیمتی ہوگی، امن وسلامتی کا دور دورہ ہوگا، انشاء اللہ۔

اٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے

پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

اس کا انہماک یکلخت بکھر کر رہ گیا، ٹی وی کی اسکرین تاریک ہو چکی تھی، ریموٹ کنٹرول حیدر کے ہاتھ میں تھا اس نے کس قدر خفگی سے اسے دیکھا۔

''میری واپسی تک تیار ملنا، یاد ہے ناں، شاہ ویز کی مہندی ہے آج۔'' وہ آفس جانے کو بالکل تیار تھا، پوری توجہ چاہتے تھی جبھی اس کی دلچسپی کا سامان ختم کر دیا تھا، اس نے محض سر کو اثبات میں ہلا کر ریموٹ لینا چاہا، جو حیدر نے مزید اس کی پہنچ سے دانستہ دور کر دیا تھا، اس کا مطلب تھا اسے بھی اس کی مزید توجہ درکار تھی، کہ ابھی اس کی بات مکمل نہیں ہوئی۔

''رات میری آنکھ کھلی تو تم بیڈ پہ نہیں تھیں اور آئز ریڈ ریڈ کیوں ہو رہی ہیں تمہاری؟'' سیل فون ٹیبل سے اٹھا کر اس کی بیٹری چیک کرنے کے بعد کوٹ کی جیب میں منتقل کرتا ہوا وہ جیسے اسی کی جانب متوجہ تھا، فلاح دانستہ خاموش رہی، نہ صرف خاموش بلکہ اسے نظر انداز کیے کمرے کا پھیلاوہ سمیٹنے لگی تو حیدر کے چہرے کا تناؤ بڑھنے لگا تھا۔

''اپنی بات کا جواب مجھے ہر حال میں چاہیے ہوتا ہے فلاح حیدر اور تم اس کی پابند ہو۔'' وہ یکایک مشتعل نظر آنے لگا تھا، فلاح نے چڑ کر عاجزانہ نظروں سے بے بسی سے اسے دیکھا۔

''جواب آپ کو معلوم ہے حیدر! پھر یہ ضد کیسی ہے؟ میں سہولیات کا بائیکاٹ کر چکی ہوں، نہیں سوؤں گی اے سی میں۔'' حیدر نے ہونٹ بھینچے پھر ریموٹ ٹیبل پہ پٹخ دیا، اس کا بازو پکڑ کر تقریباً گھسیٹ کر آئینے کے سامنے لا کھڑا کر دیا، پھر آئینے میں ہی اس کی پیشانی ٹھونکی تھی۔

''خود کو غور سے اچھی طرح دیکھ لو، ہو کیا رہی ہے تمہاری شکل، کپتان کے غم میں خود کو فراموش کر کے اچھا نہیں کر رہی تم، سارا دن ساری رات گرمی سے بچاؤ کو بغیر آرام کیے پنکھا جھلو گی تو یہی ہوگا اور اس پنکھی کو تو باہر پھینکتا ہوں نا میں، حد ہو گئی۔''

''پھینک دیں، لیکن اپنے لئے پنکھا اور اے سی پھر بھی نہیں چلاؤں گی میں۔'' اسے طیش میں باہر جاتے پا کر وہ زور سے چلائی، حیدر نے گردن موڑ کر عصیلی بے حد عاجز اور بے زار نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''فلاح! میرا بیٹا بھی ہے تمہارے پاس اور اس کا کوئی قصور نہیں ہے۔'' وہ چڑھنے لگا، فلاح اس سے بڑھ کر چڑی تھی۔

''اطلاعاً عرض کر دوں، وہ میرا بھی بیٹا ہے اور میں اسے ہرگز کوئی تکلیف نہیں دیتی، اس کے آرام کا خیال رکھتی ہوں، اسے پنکھا جھلتی ہوں۔'' وہ پھر چلائی، حیدر نے سرد آہ بھری۔

''مگر خود کو تو دے رہی ہو ناں؟'' وہ جیسے بے بس ہوا، یہاں فلاح نے جواب دینا بھی ضروری نہ سمجھا تو وہ بے بس ہونے کے ساتھ جھنجھلانے بھی لگا۔

''کیوں ضد باندھ رہی ہو فلاح! محبت کرتا

ہوں تم سے، بہت بہت زیادہ، جانتی بھی ہو تم۔" فلاح اسے عجیب نظروں سے دیکھتی رہی، پھر زخمی انداز میں ہنس پڑی تھی۔

"کاش آپ نے صرف مجھ سے محبت نہ کی ہوتی، کاش اس دل میں دوسروں کے دکھ بھی سمائے ہوتے۔" فلاح کی آواز بھرانے لگی، حیدر نے گہرا سانس کھینچا۔

"ضد نہیں کرتے فلاح؟"

"میں ضد نہیں کر رہی ہوں حیدر! کاش آپ بھی سمجھ سکیں۔" وہ ٹوک گئی پھر اسی بھیگی آواز میں بولی تھی۔

"آپ کو تو یہ بھی احساس نہیں ہے کہ آپ نے ظلم کیا ہے میرے ساتھ حیدر! جھوٹ بولنا بھی گناہ ہے، منع ہے، یہ حقیقت سے نیچر سے فرار ہوتا ہے، جو کبھی سکون کا باعث نہیں بن سکتا، آپ اتنے پوزیسو تھے آپ اتنے کچے تھے، تو کیوں آپ نے غلط بیانی کی؟ کہ آپ کپتان کے طرفدار ہیں، کیا مجبوری تھی بھلا؟" وہ رونے کو تیار تھی پوری طرح، حیدر اسے دیکھتا رہ گیا۔

"بے حس لڑکی، محبت کرتا تھا تم سے، ایسے تم ہاتھ نہ لگتیں تھیں اور میں ہر صورت حاصل کرنا چاہتا تھا تمہیں، تم آج تک نہ سمجھ سکیں اتنی سی بات، ذرا سا جھوٹ ہی بولا ناں بس، کبھی جبر کیا تم پہ کیا کپتان کی پارٹی چھوڑ کر مسلم لیگ میں آ جاؤ، مگر تم ضرور جبر کرتی ہو مجھ پہ کہ میں نون لیگ چھوڑ کر کپتان کا فین بن جاؤں۔" وہ جیسے شاکی ہوا، فلاح دکھ بھری نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔

"آپ نے میری آنکھوں کے سارے خواب نوچ کر پھینک دیئے حیدر! یہ ظلم نہیں تھا، آپ نے مجھے دھوکہ دیا، یہ زیادتی نہ ہوئی؟ میں اگر آپ پہ جبر کرتی ہوں تو جانتی ہوں جس راستے پہ آپ چل رہے ہیں، وہ گناہ کا راستہ ہے، آپ کی کمائی میں بھی حرام شامل ہے، آپ کسی بھی ٹینڈر کو پاس کرانے کو محض ایک سائن کرتے ہیں اور لاکھوں آپ کی جیب میں آجاتے ہیں، آپ کو کچھ بھی تو غلط نہیں لگتا، امریکہ کو خدا سمجھنے والے صحیح ہو بھی کیسے سکتے ہیں؟ اگر امریکہ سے امداد لیں گے تو ان کی خواہش کا بھی خیال رکھنا پڑے گا، جتنی بڑی امداد اتنی بڑی خواہش، حیدر ہم آزاد ملک کے باسی ہو کر بھی غلاموں جیسی زندگی بسر کرنے پہ مجبور کیونکر ہوئے؟ انہی مفاد پرست حکمرانوں کی وجہ سے، میٹرو روڈ پل کے لئے چار ارب کی رقم درکار تھی، مگر اس پہ چوالیس ارب حکومت کے خزانے سے نکالا گیا، چالیس ارب کدھر گیا؟ اتنے سمجھ دار تو آپ بھی ہوں گے، حکمرانوں کے بینک بیلنس مزید بڑھ رہے ہیں اور ملک کنگال ہوتا جارہا ہے، کرپشن آپ کی مجبوری ہو سکتی ہے حکمرانوں کے بعد، ہماری نہیں، حکمرانوں کے ملمع زدہ شخصیت کا تعفن سانسیں تک روکتا جارہا ہے، جو محض اس لئے اپنی کرسی چھوڑنے کو تیار نہیں کہ انہیں مدت پوری کرنی ہے، سارا کچھ سمیٹنا ہے، کیا پتا پھر موقع ملے نہ ملے۔" وہ بے حد تلخ تھی، حیدر اتنی تلخ صورتحال کو تسلیم نہ کر پایا، جبھی اس پر چڑھ دوڑا۔

"اپنی تقریر بند کرو فلاح، بدتمیزی کی بھی حد ہوتی ہے، چلو مان لیا، ہمیں تو نون لیگ کی فیور نے بہت کچھ دے دیا، ہم مراعات یافتہ طبقہ ہیں، آفیسر ہیں ہم، ہماری سیکری پر کشش ہے، سہولیات بے شمار ہیں، تمہیں کیا مل گیا کپتان کی حمایت سے......؟" فلاح کی نگاہوں سے تاسف وملال چھلکنے لگا۔

"آپ نے ٹھیک کہا، مجھے کپتان نے کچھ نہیں دیا، میرا مطلب آسائشیں مراعات سے ہے، مگر اللہ نے کپتان کے ذریعے نوجوان نسل کو

جو شعور عطا کیا وہ بے حد بیش قیمت ہے، ہمیں اس صحیح انتخاب پہ فخر ہے، جو آنے والے وقتوں میں انشاء اللہ ایک بہترین قوم بہترین معاشرہ دے گا، میں پورے اطمینان اعتماد کے ساتھ جی سکتی ہوں کہ میں نے حق کا ساتھ نبھایا، میں ایک ایسے بندے کی پارٹی کا حصہ ہوں، جسے صحیح معنوں میں مسلمان ملک کا ایک آزاد باشندہ کہا جا سکتا ہے، جو مرد مومن ہے، غیور قہار جبار منصف، خدائی خوبیوں سے مالا مال، جس کے دل میں اپنے قوم کا درد احساس زندہ ہے، جو باقی حکمرانوں کی طرح امریکہ سے نہیں ڈرتا، جو غیر اللہ کے سامنے جھولی نہیں پھیلاتا، جس میں جرأت ہے، وہ کوئی بات چھپ کر نہیں کرتا جو عزم رکھتا ہے کہ وہ ملک میں اسلامی قوانین نافذ کرے گا، جس کا سابقہ ریکارڈ الحمدللہ قابل فخر ہے، جبھی اس پہ کوئی انگلی نہیں اٹھا سکتا، اس کے دشمن اس پہ تنقید ضرور کرتے ہیں مگر اس پہ الزامات عائد نہیں کر سکتے، جس نے دکھاوے کو نیکیاں نہیں کیں، کینسر ہاسپٹل اور ورلڈ کپ کی فتح کا اعزاز اللہ نے پاکستان میں کپتان کے سوا اور کسی کو نہیں بخشا، جس کے عزم و استقلال میں محمد علی جناح کا سنہرا اور پاکیزہ روپ جھلکتا ہے، حیدر صاحب ہم آپ کی طرح لکیر کے فقیر لوگ نہیں ہیں، میرے بابا پہلے بھٹو کے حامی تھے، مگر پھر لیڈرز کے بدلنے کے ساتھ ان کے نظریات بھی تبدیل ہوئے تو بابا نے ان کی پارٹی چھوڑ دی، وہ کپتان کے حامی ہیں، ان کا احترام کرتے ہیں تو وجہ محض پاکستان کی آن شان نہیں ہے، وجہ کپتان کی اعلیٰ سوچ ہے، جس میں انہیں بلکہ سب کو ایک نیا پاکستان ایک مضبوط و مستحکم پرامن خوشحال پاکستان نظر آتا ہے، ہمیں ذاتی مفاد کی نہیں اجتماعی مفاد کی خواہش ہے، کپتان کے سب حامی ایسی ہی ستھر سوچ کے مظہر لوگ ہیں، یہاں کا سسٹم کرپشن بدامنی اور غیر اختیاری سلوک کی وجہ سے درہم برہم ہے، اسے تبدیلی کی اصلاح کی اشد ضرورت ہے، آگاہی کی ضرورت ہے جہاں عزت نفس بیدار کرنے کا عزم ہے، تاکہ کسی کو ہاتھ پھیلانا نہ پڑے مہنگائی کا توڑ ہو تو ہر کوئی اپنی محدود کمائی محدود وسائل کے باوجود اپنی عزت نفس کی حفاظت کے ہمراہ بغیر ہاتھ پھیلائے کھا سکے گا، جہاں لوگ متعصب نہ ہوں، جہاں میڈیا واقعی آزاد ہو، ہمیں ایسا ہی نیا پاکستان چاہیے، جس کا خواب اقبالؒ نے دیکھا تھا، جس کی چاہ قائداعظم نے کی تھی۔" ابھی وہ اور بھی بہت کچھ کہتی، کہہ سکتی تھی مگر حیدر نے مسکراہٹ دباتے اس کے منہ پہ ہاتھ رکھ دیا۔

"قسم سے بہت بولتی ہو تم، واقعی ایک جوشیلی صحافی ہو اندر سے، مگر ابھی تمہارا اپنا پاکستان نہیں بنا، ابھی سانس بحال کرو، پانی شانی پیو، میں چلتا ہوں آل ریڈی لیٹ ہو گیا یار، تمہاری تقریر پھر کبھی سن لوں گا بائے۔" وہ اسے چڑاتا ہاتھ ہلاتا اس کے گال پہ جو سرخ ہو کر دہک رہا تھا، چٹکی بھرتا ہنستا ہوا چلا گیا، فلاح ایسے ہی کھڑی رہی، اس کی آنکھیں بے بسی سے، دکھ سے، ذلت سے جلتی رہیں، مگر وہ کبھی اس کا یہ دکھ نہیں سمجھ سکتا تھا، یہ صرف وہی جان سکتا تھا جس نے اسے سہا ہو، مختلف ذہن مختلف سوچ، مخالف راستے مخالف پسند کے حامل لوگ ایک مرکز پہ ایک ہو کر نہیں رہ سکتے، یہ بہت کٹھن تھا، یہ بہت مشکل ہوتا ہے۔

☆☆☆

اتوار 17 اگست 2014ء

فلاح حیدر

فیلنگ اینگری

صف ماتم بچھاؤ
آؤ ان کو یاد کرتے ہیں
جو ہم میں نہیں رہے اب
جو روٹی کمانے کو نکلے تھے گھر سے سویرے کو
انہیں معلوم ہی کب تھا
زباں اک جرم ہوتی ہے
وہ بھی ایک مجرم ہیں
وہ اس بستی میں رہتے ہیں
جہاں ہر شخص گونگا ہے
جہاں ہر شخص بہرہ ہے
یہاں آواز کے قاتل زبان کو کھینچ لیتے ہیں
صف ماتم بچھاؤ
پر کوئی بھی بات مت کرنا
ہمیں خاموش رہنا ہے
نیا سورج نکلنے تک

شہدائے ماڈل ٹاؤن 14 شہید، جن میں دو خواتین شامل جن کے منہ میں گولیاں ماری گئیں، اس صورت حال میں حکمرانوں سے استعفیٰ کا تقاضا غیر آئینی نہیں، نوے زخمی جن میں نوجوانوں کے ساتھ بزرگ بھی شامل، خود فیصلہ کریں، یہ کیسی جمہوریت ہے، ذرا سوچیئے۔

☆☆☆

یہ زمیں جب نہ تھی آسماں جب نہ تھا
چاند سورج نہ تھے یہ جہاں جب نہ تھا
راہ حق بھی کسی پہ عیاں جب نہ تھا
جب نہ تھا کچھ یہاں جب نہ تھا کچھ یہاں
تھا مگر تو ہی تو اللہ ہو اللہ ہو
اللہ ہو اللہ ہو اللہ ہو

گھر میں گھستے ہی اس کی سماعتوں میں ٹی وی کی آواز اتری تھی، والیوم اچھا خاصا تیز تھا، اس کا اچھا بھلا خوشگوار موڈ لمحوں میں غارت ہوا، ہونٹ باہم بھینچ گئے، کنٹیز کی چھت پہ سیاہ عوامی سوٹ پہ جھنڈے کے سب رنگوں کا صافہ آگے کی طرف کر کے گلے میں لٹکائے خوبرو عالی شان نظر آنے والا کپتان اپنی دراز قامتی مضبوط شاندار سراپے کے باعث لیڈر کم مہندی کا دولہا زیادہ لگ رہا تھا، جس کے متعلق نوجوان لڑکیوں کا دعویٰ تھا کہ ”عمران کی آنکھیں آج بھی جان لیوا ہیں“ اپنے جاں نثاروں کے بیچ مختصر سے کنٹیز کی چھت پہ ٹہلتا وہ صحیح معنوں میں پنجرے میں قید شیر لگ رہا تھا۔

”اللہ ہو!“ کی صدا پہ داہنا بازو فضا میں بلند کر کے ہاتھ کی انگلیوں کو وکٹری کے انداز میں لہراتا ہوا کپتان، واقعی دیکھنے والوں پہ سحر طاری کر سکتا تھا، اس پہ فلاح کا جھومتا انداز، دنیا و مافیا سے بے خبر ہو کر اسے دیکھنا، حیدر کی پھر بھی روح جل کر خاکستر نہ ہوئی بھلا۔

کیا شک تھا کہ کپتان ساٹھ سال کا ہو کر بھی اپنی عمر سے آدھا نظر آتا تھا، چاک و چوبند بے حد شاندار پرسنالٹی اس عمر میں بھی ایسی کھٹکا دینے والی تھی کہ لڑکیاں تو لڑکیاں لڑکے فدا ہوئے جاتے تھے، اس نے طیش میں بپھرتے ہوئے آگے بڑھ کر ٹی وی آف کر دیا، فلاح جو اسی وقت اس کی آمد سے باخبر ہوئی تھی، اسے روبرو پا کے گہرا سانس بھر کے رہ گئی۔

”چلائیں بھئی...... میں، ان کے خطاب کی خاطر سارا دن ویٹ کرتی ہوں۔“ وہ سخت بے چین لگ رہی تھی، حیدر نے بے دریغ گھورا۔

”تمہارا دماغ ٹھیک ہے؟ یاد ہونا چاہیے کہ میں صبح تمہیں کچھ کہہ کر گیا تھا۔“ اسے ریموٹ لینے کو آگے بڑھتے پا کر وہ زور سے دھاڑا، مگر فلاح خائف نہیں ہوئی۔

”اگر مجھے جانا ہوتا تو لازماً تیار بھی ہو جاتی، اتنی سی بات سمجھ میں نہیں آتی آپ کو۔“ وہ تیکھے چتونوں سے جتلا کر کہتی اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگی، حیدر کو لگا وہ خود پہ کنٹرول نہیں کر پائے گا۔

”کیوں نہیں جانا چاہتیں؟ یہاں اپنے محترم کپتان کا غیر عورتوں کو میوزک پہ نچوا کر انجوائے کرتی تھکتی نہیں ہو تم؟ بے شرم بے غیرت لوگ، ذرا جو حیا ہو، حد ہو گئی یعنی، عورتوں کو سر بازار نچوا رہا ہے پٹھان ہو کر بھی، یہ پھر بھی، تف ہے ایسی مردانگی پہ ایسے لالچ پہ جو واقعی اقتدار حاصل کرنے کو ڈرامہ رچایا گیا ہے۔“ اندر کا غبار نکلا تھا اور خاصے سے زیادہ بے تکے بے ہودہ انداز میں، انداز گفتگو وہ ہی سطحی تھا، فلاح کے ضبط کی طنابیں بھی شدید تناؤ پہ آ کر تڑخنے لگیں، رنگت یوں سرخ پڑ گئی گویا ابھی لہو چھلکنے لگا۔

”حیدر کرار شاہ!“ اس نے تنفر سے تلخی سے ٹوکا، پھر اس پہ طنزیہ نظر ڈال کر تمسخر سے ہنسی۔

”آپ کون ہیں؟“ اس نے برہمی سے اس کے سینے پہ انگلی رکھی، بلکہ ٹھونکی، اس کا لہجہ تند تھا، حیدر ششدر سا ہونے لگا، اس سوال کا قطعی مطلب نہیں سمجھ سکا تھا وہ۔

”یو نو واٹ...... آپ شاہ ہیں، یعنی سید، سب سے اعلیٰ و افضل ذات، زیب تو آپ کو بھی یہ نہیں دیتا کہ کسی پہ ایک انگلی بھی اٹھائیں، مگر آپ پھر بھی اٹھا رہے ہیں، بلکہ آپ جیسے بکے ہوئے میڈیا کے بیشتر تنقید و تجزیہ نگار ہی اٹھا رہے ہیں، بلکہ رائی کا پہاڑ ڈھٹائی سے کھڑا کرتے کسی کو ذرا سی بھی شرم نہیں آئی، آپ سے میں نے پوچھا آپ کون ہیں؟ آپ شاہ ہیں، آپ کی ذات سب سے اعلیٰ و برتر ہے بلا شک و شبہ تو اس کا مظاہرہ بھی اعلیٰ و برتر ہونا چاہیے، مگر میں نے آپ کو اس کا مظاہرہ کرتے کبھی نہ دیکھا، اس پہ آپ نے دھیان کبھی کیوں نہ دیا؟ دوسروں پہ بلا جھجک تنقید کرتے وقت آپ کو اپنا ظرف بھی وسیع رکھنا چاہیے کہ گریبان میں منہ ڈال کر محاسبہ دعویٰ نہ کر سکیں، یاد کر لیں پھر کہ آپ کے گھر کی تقریب میں آپ کے خاندان کی بہو بیٹیاں اور بہنیں مائیں بلا تفریق سب ناچتی ہیں اور کبھی کسی نے کوئی شرمندگی محسوس نہیں کی وائے؟ بلکہ ناچتی ہوئی بیٹیوں کو باپ اور بھائی فخر سے دیکھتے ہیں، یہ صرف آپ پہ تنقید نہیں ہے حیدر اس وقت ہمارے معاشرے کی ہر ذات ہر گھر میں ایسا ہی رواج زور پکڑ چکا ہے، سوچیں ہم نے اپنا مذہب اپنا انداز اپنی روایات کب چھوڑیں، یہ طریقہ تو رات جاگنے والے علاقوں کا ہوتا ہے، مگر آج اس پہ شریف لوگ سب فخر کرتے ہیں، کوئی شرمندگی کوئی عار نہیں، اپنی روایات اپنا اصل اپنا مذہب بھلا کر ہم نے کون سی روش اختیار کر لی، اس پہ غور نہیں فرماتے اور دوسروں پہ بلا جھجک بلکہ ڈھٹائی سے تنقید کرنے لگ جاتے ہیں، محترم حیدر صاحب وہاں موجود خواتین جن کے لئے آپ جیسے دیگر مرد حضرات نازیبا الفاظ استعمال کر رہے ہیں، اطلاعاً عرض ہے انہیں کپتان نے نہیں کہا، بھنگڑے ڈالنے کو، یہ خالصتاً ان کا ذاتی عمل ہے، لیکن آپ کا اعتراض درست ضرور ہ، کپتان کو اس جانب توجہ دینی چاہیے، اس غلط عمل سے روکنا چاہیے، مگر آپ ایسے سخت الفاظ استعمال کرنے سے قبل آپ کو یہ نہیں بھولنا چاہیے تھا کہ ہماری شادی پہ صوحا نے ڈانس کیا تھا، آپ نے اسے روکا کیوں نہ؟ حالانکہ تب مووی بھی بن رہی تھی، کیا وہ مووی میکر آپ کا سگا تھا یا پھر صوحا کا محرم؟“ وہ بولنے پہ آتی تو چپ ہونے کا نام نہیں لیا، اس کا انداز ایسا ہی ہوتا تھا، وہ سچ ایسے ہی واشگاف انداز میں بولا کرتی تھی، آئینہ ایسے ہی دکھایا کرتی تھی کہ سامنے والا بلبلا اٹھتا، حیدر بھی

بلبلا اٹھا تھا، جبھی اس پہ ہاتھ اٹھاتے اٹھاتے رہ گیا۔

"اپنی بکواس بند کرو فلاح! تم حد سے بہت بڑھ رہی ہو۔" وہ دبے ہوئے لہجے میں چلایا، فلاح زخمی انداز میں اسے دیکھتی رہی۔

"برا لگا؟" وہ اسے عجیب نظروں سے دیکھ رہی تھی، حیدر اسے سامنے سے دھکیل کر بے حد خفا تاثرات کے ساتھ وہاں سے چلا گیا، فلاح ہونٹ بھینچے نم آنکھیں جھپکتی وہیں کھڑی رہ گئی تھی، جب شادی ہوئی تھی تب والدہ نے کہا تھا۔

"جو فیصلہ اس نے کیا، اس پہ وہ لازمی پچھتائے گی۔" اور اس نے سمجھا تھا، والدہ اس وجہ سے خفا ہیں کہ اس نے ان کے بھائی کے بیٹے کو ٹھکرا کر بابا کے بھائی کے بیٹے کو قبول کیا ہے، مگر حالات نے بہت جلد اس پہ آشکار کر دیا تھا، ان کی بات سچ ہے، اس کے باوجود نوبت کبھی ایسے پچھتاوے تک نہ پہنچی تھی، جن کا شکار وہ ان دنوں ہو رہی تھی۔

☆☆☆

بدھ 20 اگست 2014ء

فلاح حیدر

فیلنگ پراؤڈلی

یہ ظلمت باطل دھوکہ ہے
یہ ہیبت کافر کچھ بھی نہیں
مٹی کے کھلونے ہیں سارے
کچھ کفر کا لشکر کچھ بھی نہیں
اللہ سے ڈرنے والوں کو
باطل سے ڈرانا مشکل ہے
جب خوف خدا ہو دل میں
یہ قیصر و کسریٰ کچھ بھی نہیں
دستور بھی ہے تنظیم بھی ہے
تہذیب بھی ہے تعلیم بھی ہے
قرآن میں پنہاں سب کچھ ہے
قرآن سے باہر کچھ بھی نہیں
اسلام اگر منظور نہیں
قرآن اگر دستور نہیں
افسوس ہے پھر آزادی پر
یہ ملک و ملت کچھ بھی نہیں

پاکستان کو کپتان کے متوالوں کو مبارک باد، لشکر انقلابی بڑھ رہا ہے، آگاہی پھیل رہی ہے، کل نئے پاکستان اور انقلاب کا ایک اور متوالہ اس لشکر میں شامل ہوا، جس نے اعلان کیا کہ کل اس کی شادی ہے مگر وہ یہاں آ گیا ہے، انقلاب برپا کرنے، آج ایک حکومت کا گارڈ نون لیگ کو چھوڑ کر کپتان کی ٹیم میں شامل ہوا کہ اس کا کہنا تھا، اس کا موبائل چوری کر لیا گیا اور ایسا کرنے والے کوئی اور نہیں، حکومت کے محافظ ہی ہیں، انہی کے آلہ کار، کپتان کو غلط کہنے والے ثابت کرنے والے دھیرے دھیرے شکست کے قریب ہو رہے ہیں اور کپتان کو اللہ فتح سے قریب کر رہا ہے۔

☆☆☆

بابا نے دوبئی کو مستقلاً خیر آباد کہا تو وہ لوگ ہمیشہ کو پاکستان چلے آئے، ان کا عارضی قیام تاؤ جی کے گھر پہ ہوا تھا پہلے، لاہور کے پوش علاقے میں تاؤ جی کا ٹھاٹ باٹ دیکھ کر وہ لوگ صحیح معنوں میں ششدر ہو کر رہ گئے تھے، اس پہ تائی ماں اور ان کی بیٹیوں کا ماحول، فیشن کی اندھی دوڑ نے انہیں کچھ کا کچھ کر کے رکھ دیا تھا، بال شانوں پہ لہراتے تھے، تو دوپٹے کے ساتھ قمیضوں کی آستین بھی غائب ہو چکی تھیں، تاؤ جی نون لیگ کے ساتھی تھے، پارلیمنٹ میں شامل جبکہ حیدر کے ساتھ دونوں بیٹیوں صوحا اور ثنا بھی حکومت کے اعلیٰ عہدوں پر فائز تھیں، تینوں

کنوارے تھے مگر زندگی اپنی اپنی مرضی سے گزارنے کے اصولوں پہ کاربند اور کسی کو کوئی اعتراض بھی نہیں تھا، ایسے میں لئے دیئے رہنے والی فلاح اس کی بہن عیشہ اور والدہ جن کے دوپٹوں کی لمبائی چوڑائی چادروں کو مات دیتی تھی اس ماحول میں بہت عجیب تاثر پیش کرنے لگی تھیں، اس پہ تائی ماں کے نادر مشورے، وہ والدہ سے نالاں تھیں جنہوں نے بچیوں کو دوبئی جیسے ملک میں رکھ کر بھی جیسے ڈربے میں قید کر دیا تھا۔

"بڈھی روحیں ہیں دونوں لڑکیاں، دنیا کدھر کی کدھر جا رہی ہے، انہیں کوئی خبر ہی نہیں، صالحہ، بتاؤ مجھے تمہیں بچیوں کی شادیاں بھی کرنی ہیں کہ نہیں؟" وہ والدہ پہ برہم ہوتی رہی تھیں۔

"بھابھی بیگم آپ ان کے بابا سے تو واقف ہیں ہی، کتنے سخت ہیں وہ اصولوں کے، مکمل مذہبی ماحول دیا ہے بچیوں کو اور الحمدللہ ہمیں بھی فخر ہے کہ ہماری بچیاں ایسی ہیں۔" والدہ کے جواب نے تائی اماں کو نخوت و تنفر سے بھر دیا تھا اور انہیں اس بات کو منہ سے نکالنے پہ مجبور کر دیا تھا، جو وہ لحاظ میں کہنا نہیں چاہ رہی تھی۔

"اگر فخر ہے تو ان کی شادی خود ہی نپٹاتی رہنا، ایسی لڑکیوں کے رشتے کرنا آسان نہیں ہوتا اور مجھ سے توقع تو ہرگز نہ رکھنا، میرا بیٹا ایسی لڑکیوں کو اپنا لائف پارٹنر کے طور پر قبول نہیں کر سکتا۔" والدہ کی رنگت اس بے لحاظی و تذلیل آمیز سلوک پہ بالکل پھیکی پڑ گئی تھی، رواداری تھیں جبھی خود کو سنبھال لیا تھا، بنا کچھ جتلائے انہوں نے معاملہ سمیٹ ڈالا۔

"آپ پریشان نہ ہوں بھابھی بیگم ہمارے بھی ذہنوں میں ایسی کوئی خواہش نہیں ہے، اللہ سب کا مالک ہے، اسی نے میری بیٹیوں کو پیدا کیا ہے تو ان کا جوڑا بھی اتارا ہوگا، ہم مطمئن ہیں۔"

تائی ماں اس جواب پہ ایسے ہی تمسخرانہ تاثرات سجا سکتی تھیں چہرے پہ جیسے انہوں نے سجا لیے تھے، بولی تو لہجہ بھی بڑا طنزیہ اور تیکھا تھا۔

"ٹھیک ہے بھئی، اگر تمہیں اتنا ہی توکل ہے تو لگائے رکھو اپنے رب سے آس، میں نے جبھی صاف کہہ دیا میرے بیٹے کا معیار ایسا نہیں۔" والدہ نے ہونٹ بھینچ لئے تھے، وہ کچھ نہیں بولی تھیں مزید، مگر تقدیر کو کچھ اور ہی منظور تھا جبھی حیدر خود سے فلاح کا طلبگار ہوتا ماں کے مقابل ڈٹ گیا تھا، تائی ماں تو یہ مطالبہ سن کر ہی غش پہ غش کھانے لگی تھیں جیسے، انہیں تو یقین آ کر نہ دیتا تھا کہ ان کا بیٹا ایسا اتاولا کیوں ہوا جاتا ہے، فلاح کے لئے، اس کملی جھلی سی فلاح میں ایسا تھا بھی کیا قابل ذکر۔

"وہ ہے کیسی؟ کبھی یہ تو دھیان سے دیکھا نہ ہوگا تم نے۔" حیدر دانستہ خاموش رہا، اس بات کا کیا جواب دیتا، وہ کہ اسے کیسے دیکھا تھا اور کیسے پسند آ گئی اتنی، مگر تائی ماں طیش میں بپھرنے لگی تھیں۔

"بتاؤ مجھے حیدر کیوں شادی کرنا چاہتے ہو؟ ایسا کون سا جادو کر دیا اس نے؟ ورنہ ساتھ چلتی تو وہ تمہارے اچھی بھی نہ لگے گی۔" ان کے لہجے میں نفرت سی نفرت تھی، حیدر نے ہونٹ سختی سے بھینچ لئے، مگر تائی ماں کا ابلتا اشتعال جواب کا متقاضی تھا، اسے بولنا پڑا۔

"مام!" وہ عاجز ہوا تھا، ان کے گھورنے پہ بے بس سا بولا۔

"شادی مجھے کرنی ہے، زندگی بھی مجھے گزارنی ہے، پسند بھی میری ہونی چاہیے، سو پلیز آپ سمجھیں۔"

"پسند؟ یہی تو پوچھ رہی ہوں احمق لڑکے، کیا پسند آ گیا تمہیں اس میں؟" وہ غرائیں تھیں۔

"میں بس یہ کہوں گا پھر آپ نے دھیان سے اسے دیکھا نہیں، میرا خیال ہے حسن کے لحاظ سے کوئی کمی نہیں ہے فلاح میں، ایک وہی ہے جو میرے ساتھ پرفیکٹ لگ سکتی ہے۔" جواب میں تائی ماں کی آنکھیں پھٹ کر رہ گئیں، حلقوں سے ابل پڑیں، وہ جھٹکے سے اٹھ کر بیٹے کے مقابل آ کر اسے گھورنے لگیں۔

"بس...... سمجھ آ گئی مجھے، کہ تم نے کیسے دیکھا ہو گا اسے، یا اس نے کیسے مائل کیا ہے تمہیں۔" اس کے آگے فلاح کے جو بخیے ادھیڑے گئے تھے، الاماں الاحفیظ، انہیں دکھ تھا وہ بے خبری میں لٹ گئیں، انہیں غصہ تھا کہ دیورانی نے ان کی بات کا ایسا تیکھا جواب پیش کیا کہ جس میں ان کی ہار یقینی ہو کر رہ گئی تھی، الزامات کی بھرمار تھی، وہ بلبلا رہی تھیں، حیدر جتنا بھی جز بز ہوا مگر کوئی وضاحت اس لئے نہیں کرنا چاہتا تھا کہ ماں کی فطرت سے آگاہ تھا، اس پل اس کی معمولی سی بھی فلاح کی طرفداری انہیں مزید پتنگے لگا سکتی تھی، اپنے کمرے میں آ کر وہ بہت خاموشی سے لیٹ گیا تھا، اس کا ذہن متفکر تھا، آنکھوں میں سوچ کی پرچھائیں اتر رہی تھیں، اس میں شک نہیں تھا کہ وہ فلاح کو کھونے کے خیال سے خائف ہو رہا تھا، اس میں بھی شک نہیں تھا کہ فلاح کا اسیر ہونے سے قبل ماں بہنوں کی طرح وہ بھی چاچو اور ان کی فیملی کو ہرگز کوئی اہمیت دینے کو تیار نہیں تھا، ماں کی طرح اسے بھی یہ فکر لاحق ہو گئی تھی کہ اگر چاچو نے جائیداد بزنس اور زمینوں سے اپنا حصہ مانگ لیا تو کیا کریں گے وہ؟ ماں اور بہنوں کی طرح وہ بھی اس فیملی کے جلد از جلد یہاں سے چلے جانے کا خواہاں تھا اور کبھی چچی سمیت ان کی بیٹیوں سے بھی سیدھے منہ بات نہیں کی تھی پردوں میں ملفوف لپٹی سمٹی لڑکیاں اس کے لئے بھلا کسی اٹریکشن کا باعث کیونکر ہو سکتی تھیں، مگر ہفتہ قبل طبیعت کی خرابی کے باعث اسے اچانک گھر آنا پڑا تھا، تب ہی اس کے دل کی دنیا بھی زیروزبر ہو کر رہ گئی تھی، گاڑی پورٹیکو میں کھڑی کر کے سیدھا اپنے کمرے میں جانے کی بجائے انیکسی کی جانب آ گیا، چچی اور ان کے بیٹیوں کی اور کسی خوبی سے بھلے وہ آگاہ ہوا ہو نہ ہوا ہو، مگر ہاتھ کے ذائقہ کا ضرور مداح ہوا تھا، کہ ان کی آمد کے بعد گھر میں قسم قسم کے کھانوں سے ضرور سب لطف اندوز ہونے لگے تھے، صبح کا ناشتہ بھی انہی ماں بیٹیوں نے اپنے ذمے لے رکھا تھا جبھی خانساماں کے ہاتھ کے بدمزا کھانوں سے خاصی نجات حاصل ہوئی ہوئی تھی، اس وقت بھی ارادہ انہی میں سے کسی کو چائے کا کہنے کا تھا، چونکہ اسے چچی جان کے کمرے کا آئیڈیا نہیں تھا جبھی اندازے سے ہی ایک دروازہ جس کے پار سے آواز باہر تک آ رہی تھی، معمولی سا تھپتھپاتا ہوا وہ اندر داخل ہو گیا تھا۔

"میں نے تو کہہ دیا ہے، میرا آئی ڈی کارڈ آپ بنوا ڈالیں، اس بار میں لازمی ووٹ ڈالوں گی کپتان کو۔" اس کے قدم دروازے کی چوکھٹ پہ رکنے کا باعث عیشہ کی یہ آواز نہیں تھی، بلکہ میرون دھانی اور آتشی رنگوں کے بوتیک سے لباس میں کھلتی کلی جیسی اس لڑکی پہ ٹھہر گئی تھی، جو چھوٹی میز پہ ایک پیر اٹکائے جھکی ہوئی پیر کے ناخن تراشنے میں اتنی محو تھی کہ اس کی آمد کی خبر بھی نہیں ہو سکی تھی، نم بے حد سلکتی لانبے سیاہ مخمل جیسے بالوں کی لٹیں بھی ڈھلک کر اس کے چہرے کی تابناکی و جگمگاہٹ کو چھپانے میں جیسے سخت ناکام اور بے بس محسوس ہو رہی تھیں، وہ حیران بھی تھا محو بھی مبہوت بھی، اگر عیشہ اسے نہ چونکاتی

تو جانے کب تک وہ اسی طرح گم صم بے خود سا کھڑا اس کا یہ روپ نگاہ کے رستے دل میں اتارتا رہتا۔

"حیدر بھائی...... آپ......؟" عیشہ کی نگاہ اس پہ پڑی تو ایکدم حیران ہوتی اٹھی تھی۔

"آئیے ناں۔" وہ جیسے زبردستی مسکرائی، فلاح نے ایکدم چونک کر سر اونچا کیا تھا اور یکلخت سیدھی ہو گئی، بیڈ پہ دھرا دوپٹہ اٹھاتے وہ بوکھلاہٹ کا شکار تھی، یہ بوکھلاہٹ حیدر کی نظروں کو خود پہ جمے پا کر ناگواریت میں تبدیل ہونے لگی۔

"کسی کے کمرے میں بنا اجازت کے تشریف نہیں لے آتے ہیں حیدر صاحب! آپ کو اگر کوئی کام تھا تو آپ دروازہ ناک کر کے کہہ سکتے تھے۔" وہ نہا کر نکلی تھی، بال سکھانے کو اپنے کمرے میں اگر بنا دوپٹے کے تھی اور وہ آ گھسا تھا تو یہ ناگواری اس کا حق بنتی تھی، عیشہ کی مداخلت کے باوجود حیدر کی نظروں کا فوکس خود پہ محسوس کر کے اور ان نظروں کی گہرائی و گستاخی کو پا کر ہی وہ اتنا تلخ ہوئی تھی کہ بنا لحاظ کے کہہ گئی، حیدر ایکدم چونکا اور ٹھٹھک سا گیا، یہ ناگواری، یہ برہمی، تیکھے چتون اس کی طبع نازک پہ سخت گراں گزرے تھے اور زبان پھیل گئی تھی۔

"یہ ہمارا گھر ہے محترمہ، اور میرا ذاتی خیال ہے کہ یہاں کہیں بھی آنے جانے کے لئے ہمیں کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔" بات متکبرانہ بھی تھی، غیر معقول بھی، اس میں اس کا بھی اتنا قصور نہیں تھا، اس کی تربیت ہی ایسے پیمانوں پہ ہوتی تھی، اسے ماحول ہی ایسا دیا گیا تھا، جبھی وہ ایسی بات کہنے میں عار نہیں سمجھتا تھا، مگر جب محبت ہوتی ہے تو احساس و لحاظ کے ساتھ ادب آداب سے سب پہلے تقاضے بن جاتے ہیں، فلاح کے چہرے پہ پھیلتے تاثرات نے بھی حیدر کرار کو اپنی غلطی کا احساس دلا دیا تھا تو وجہ محبت ہی تھی، جو بہت غیر محسوس انداز خون میں گھلتی رگوں میں اترتی چلی جاتی ہے، تو بتدریج تغیر کا عمل بھی شروع ہو جاتا ہے، چاہے اسے تسلیم کیا جائے یا نہیں، چاہے اس کا اعتراف کیا جائے یا نا۔

خیال یار، رضائے یار، حسرت یار کی اہمیت خودبخود بڑھ جاتی ہے، وہ بھی نا چاہتے ہوئے وضاحت پہ صفائی پہ مجبور ہوا تھا تو یہ تقاضائے محبت تھا، مگر وہ کوئی وضاحت سنے بغیر ہی محض اپنی سنا کر وہاں سے چلی گئی تھی۔

"آپ نے بجا فرمایا حیدر صاحب، مگر یہ عارضی سہی ہمارا ٹھکانہ ضرور تھا، سو اخلاقیات کا تقاضا تھا کہ......"

"بجو!" عیشہ نے اس کا بازو تھام کر عاجزی سے گویا مزید کچھ کہنے سے ٹوکا تھا، وہ ہونٹ بھینچتی جھٹکے سے پلٹ کر چلی گئی تھی اور وہ کچھ کہنے کی خواہش میں ساکن کھڑا رہ گیا۔

"حیدر بھائی آپ آئیے میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔" عیشہ ملائمت سے گویا تھی، حیدر وہاں سے نکلا تو دل پہ بے انتہا بوجھ تھا، یہی بوجھ اسے پھر سے فلاح کے روبرو لا کھڑا کر گیا تھا، کچن کے دروازے پہ ہونے والی دستک پہ وہ سبزیاں کاٹتی حیرانی سے پلٹی تو روبرو حیدر کو پا کر چہرے کی سنجیدگی مزید گہری ہوتی چلی گئی تھی، رخ پھیر کر دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہوتی فلاح کو حیدر نے بڑی لاچاری سے دیکھا تھا، کچھ لوگ کتنی تیزی سے قریب آتے ہیں، کتنی تیزی سے شکست کا باعث بنتے ہیں کہ آپ اپنے دفاع کو بھی کوئی حربہ اختیار نہیں کر سکتے، فلاح کی محبت نے بھی حیدر کرار کو ایسے ہی جکڑ لیا تھا، ایسا انوکھا کچھ تو تھا

اس میں کہ وہ یوں بے بس ہوا تھا۔

''مجھے ایکسکیوز کرنا تھا آپ سے فلاح! غلطی میری تھی، مجھے اجازت لے کے آنا چاہیے تھا۔'' قدم بڑھا کر اس کے مقابل آ جانے کے بعد وہ اس کی توجہ پانے کو کھنکارا بھی تھا، مگر توجہ حاصل نہ ہونے پہ کہنے پہ مجبور ہوا، جواب میں فلاح کے چہرے پہ عجیب سی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

''اٹس او کے حیدر بھائی، آپ کا بھی موقف درست ہے، آپ کا گھر ہے، آپ کو اس زحمت کی ضرورت نہیں ہے۔'' ایسا جواب حیدر کی شرمندگی میں مزید اضافہ کر کے رکھ گیا، وہ لاجواب بھی ہوا تھا، اسے قطعی سمجھ نہیں آ سکی کیا ہے۔

''تم ضرورت سے زیادہ مائنڈ کر گئی ہو۔'' وہ چڑنے سا لگا، فلاح کے ہاتھ روک کر اسے اک نظر دیکھا۔

''تو پرواہ نہ کریں، ڈزنٹ میٹر۔'' اس کا انداز صاف جان چھڑانے والا تھا جیسے، حیدر کو توہین سی محسوس ہوئی مگر خود پہ ضبط کر گیا تھا۔

''آئندہ شکایت نہیں ہو گی، پرامس۔'' اس کا بھاری بھرکم لہجہ دھیما تھا، گمبھیر تر۔

''آئندہ ایسی نوبت آنے کا امکان نہ ہونے کے برابر ہے حیدر بھائی، ہم عنقریب اپنے گھر میں شفٹ ہو جائیں گے۔'' اپنے کام میں مصروف رہ کر وہ اس بے نیازی بے رغبتی سے جواب دے رہی تھی، انداز صاف جان چھڑانے والا تھا۔

''دیکھو میری بات تم......''

''آپ یہاں سے جائیے حیدر بھائی! یہ بالکل مناسب بات نہیں ہے کہ ساری فیملی باہر لان میں ہے اور آپ یہاں کچن میں آ گئے ہیں میرے پاس۔'' وہ اسے ٹوک گئی تھی، انداز کی ناگواری مزید بڑھی تھی۔

''کم آن، ہمارے ہاں ایسی باتوں کو برا نہیں سمجھا جاتا۔'' وہ سر جھٹک کر بولا تو لہجے میں فخر تھا، فلاح کے چہرے پہ تناؤ ابھرتا چلا گیا۔

''مگر ہمارے ہاں برا سمجھا جاتا ہے اور مجھے اپنی پوزیشن کی بہت پرواہ ہے۔'' حیدر نے جواباً اسے بہت شوخ بہت گہری نظروں سے دیکھا تھا، پھر بالخصوص مسکرانے لگا۔

''تمہیں پرواہ نہیں کرنی چاہیے بی کوز، میں تمہیں اپنانے کا فیصلہ کر چکا ہوں۔'' اس کا لہجہ ہر گز سرگوشی سے بلند نہیں تھا، فلاح دھک سے رہ گئی، ہونق ششدر سراسیمہ اسے دیکھنے لگی۔

''یقین نہیں آ رہا تمہیں؟'' وہ محظوظ ہوتا ہوا ہنسا، فلاح نروس تو ہوئی تھی مضطرب بھی لگنے لگی۔

''حیدر بھائی آپ......؟''

''بھائی کیوں کہہ رہی ہو؟'' وہ چڑا اور سخت برہم ہو کر بولا تھا، فلاح کے چہرے پہ بے بسی اور روہانسا پن چھلکنے لگا، اس کی بے قرار نظریں دروازے سے باہر بھٹکی تھیں اور گویا بس نہ چلتا تھا حیدر کو وہاں سے غائب کر دے۔

''آپ چلے جائیں یہاں سے، پلیز کوئی دیکھ لے گا کوئی آ نہ جائے۔'' وہ سراسیمہ تھی، فکر مند تھی، ابھی کل ہی والدہ نے اسے ماموں کے بیٹے صائم کے رشتے کا بتایا تھا، ماموں بھی اس کے لئے خواہش مند تھے، صائم سے مل چکی تھی وہ، اچھا لڑکا تھا، خوبرو بھی، پڑھا لکھا بھی کوئی کمی نہ تھی کہ انکار کا جواز بنتا، اس پہ حیدر کی باتیں، وہ سخت پریشان ہو چکی تھی، حیدر وہاں سے نکلا تو والدہ چلی آئی تھیں، وہ اتنی جلدی خود کو کسی طور بھی نارمل کرنے پہ قادر نہیں تھی، اس پہ والدہ کے سوال۔

''حیدر کیوں کھڑا تھا یہاں؟'' فلاح کا اضطراب بڑھ گیا، یقیناً والدہ حیدر کو کب سے یہاں کھڑا دیکھ چکی تھیں۔

''وہ شش...... شاید چائے کے لئے آئے تھے۔'' کبھی جھوٹ بولا نہیں تھا، جبھی چھپائے نہ چھپا، والدہ نے اک نظر بغور اسے دیکھا۔

''کیا کہہ رہا تھا؟'' وہ بے حد سنجیدہ تھیں، فلاح کا دل گھبرانے لگا، کوئی اس پہ شک آلود نگاہ ڈالے، چاہے وہ ماں ہی ہو، اسے گوارا نہیں تھا۔

''مجھے ان کی باتوں کی بالکل سمجھ نہیں آئی والدہ، پلیز مجھ سے کچھ نہ پوچھیں، بس بابا جان سے کہہ کر ذرا جلدی اپنے گھر پہ شفٹ ہو جائیں، یہاں مجھے کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا، جس کا جہاں دل چاہتا ہے، گھس آتا ہے، منہ اٹھا کر اس پہ ان کا یہ کہنا بھی ہے کہ ان کا اپنا گھر ہے آ سکتے ہیں جہاں مرضی۔'' وہ غصے میں کہہ گئی تھی، مگر والدہ ٹھٹھک کر رہ گئیں۔

''کیا حیدر پہلے بھی ایسی حرکت کر چکا ہے؟''

''جی...... عیشہ بھی تھی تب اور ایسا ہی کہا تھا انہوں نے۔'' وہ ناراضگی سے بتا رہی تھی، والدہ یکدم گم صم ہو کر رہ گئیں اور فکر مند بھی، دو دن انہوں نے اس بات پہ غور کیا پھر شوہر سے سنجیدگی سے مسئلہ بیان کیا۔

''ہمارے گھر کا کام اگر مکمل نہیں بھی ہوا، ہمیں تب بھی وہاں شفٹ کر جانا چاہیے زمان شاہ، ہم بیٹیوں والے ہیں اور بھائی جان کا جوان بیٹا ہے یہاں، لڑکا صرف جوان ہی نہیں اس کا ماحول بھی کھلا ڈلا ہے، میں یہاں ہرگز بھی مطمئن نہیں ہوں۔'' بابا جان نے کتاب بند کر دی، عینک اتار کر بیوی کو دھیان سے دیکھنے لگے، گویا وضاحت کے طلبگار تھے۔

''اینی پرابلم......؟''

''ہے بھی، حیدر کا رویہ عجیب لگا ہے مجھے، بھائی جان کی طرح حاکمانہ مزاج ہے تو بھابھی بیگم کی طرح ڈھٹائی بھی فطرت کا حصہ ہے، باقی آپ خود سمجھدار ہیں۔'' وہ کھل کر بات کرنا نہیں چاہتی تھیں، بابا جان نے گہرا سانس بھرتے پھر کتاب کھول لی، مگر محض ورق گردانی کر پا رہے تھے، اب پڑھنا ممکن نہیں تھا۔

''حیدر فلاح میں شاید انٹرسٹڈ ہے، مجھ سے بات کی ہے اس نے، وہ شادی کا خواہاں ہے۔'' انہوں نے جتنے اطمینان سے کہا، والدہ اس قدر شاک میں مبتلا ہو گئیں تھیں، یہ سکتہ ٹوٹا تو وہ سخت شاکی ہو گئی تھیں۔

''کیا کہا آپ نے؟ اس نے کہا اور آپ نے سن بھی لیا؟ جبکہ آپ جانتے بھی تھے کہ فلاح کے لئے بھائی جان صائم کی بات کر چکے ہیں اور ہمیں اعتراض بھی نہیں ہے۔'' انہیں غصہ اور جھنجھلاہٹ گھیر رہی تھی، بابا جان تحمل سے نرمی سے مسکرائے گئے۔

''بیگم صاحبہ دھیرج، میں نے صرف بات سنی ہے، بات مانی نہیں ہے، ویسے بھی یہ صرف حیدر کی خواہش ہی لگتی ہے، بھابھی بیگم یا بھائی جان کی نہیں، وہ لوگ آمادہ ہی نہیں ہوں گے تو حیدر اکیلا کیا کرے گا۔'' اس جواب پہ والدہ کو قدرے ڈھارس ملتی تھی، وہ مطمئن ہوتیں ضرور مگر انہیں تاکید کرنا نہیں بھولیں۔

''ٹھیک ہے اول تو وہ بات کرے نہ اگر کی تو آپ صائم کا بتا دیجئے گا، بلکہ ہم جلد رسم ادا کر کے اس رشتے کو آشکار کر دیں گے، فی الحال تو آپ پہلی فرصت میں اپنے گھر چلیے۔'' بابا جان نے والدہ کی خواہش پہ فوری شفٹنگ کر لی تھی مگر اس کا خاطر خواہ کوئی نتیجہ نہیں نکل سکا تھا، حیدر کے اصرار اور ضد کے باعث تائی جی کو اس کا ساتھ دینا

پڑا تھا اور تائی ماں کو بھی نا چار قائل ہونا پڑا تھا، جبھی فلاح کے رشتے کے لئے آنا پڑا، صائم کے رشتے کا سن کر بھی ان پہ کوئی اثر نہیں ہو سکا تھا۔

''میں مان لیتی ہوں کہ آپ نے رشتہ اپنے بھائی کے گھر طے کر دیا ہو گا، مگر فلاح کی مرضی یقیناً ہمارے حیدر کی طرف ہے، جبھی حیدر نے اتنا دباؤ ڈال کر ہمیں آنے پہ مجبور کیا ہے۔'' ان کا لہجہ و انداز مخصوص تھا، الزامیہ شک آلود اور متنفرانہ، والدہ کو اتنا ہی غصہ آنا چاہیے تھا۔

''فلاح کے متعلق آپ کا اندازہ آپ کی سوچ بہت غلط ہے بھابھی بیگم، ہماری بیٹی آپ کی یہ غلط فہمی ابھی دور کیے دیتی ہے۔'' انہوں نے تحمل سے کہا تھا اور عیشہ کو کہہ کر فلاح کو وہیں بلوا لیا تھا، جو اس صورتحال پہ حیران بھی تھی اور گھبراہٹ زدہ و شرمسار بھی۔

''بیٹے آپ کی تائی ماں حیدر کا پروپوزل لے کر آئی ہیں اور ان کا خیال ہے حیدر کے ساتھ آپ کی کوئی کمٹ منٹ ہے، کیا تم حیدر سے شادی کرنا چاہتی ہو؟'' باپ کے سامنے ایسے الزامات پہ فلاح صحیح معنوں میں زمین میں گڑھ گئی تھی، سبکی و ذلت کے احساس نے آنکھوں میں مرچیں سی بھر دیں، اس کی نظریں اٹھ نہیں رہی تھیں، زبان گنگ ہونے کو تھی، مگر اس وقت وضاحت صفائی بے حد ضروری تھی، سب نظریں اس پہ لگی ہوئی تھیں۔

''میں کسی بھی لحاظ سے حیدر بھائی کی کسی خواہش میں ان کے ساتھ شامل نہیں ہوں بابا جان، آپ میرے لئے اس سے قبل جو فیصلہ کر چکے ہیں مجھے اس پہ قطعی کوئی اعتراض نہیں ہے، یہ بات میں حیدر بھائی کے سامنے بھی کہہ سکتی ہوں۔'' اس کی آنکھوں میں آنسو اتر رہے تھے، گلا بھرا چکا تھا، بابا جان نے اٹھ کر اس کے سر پہ ہاتھ رکھ دیا تھا۔

''مجھے پتا ہے بیٹی! مجھے یقین ہے آپ پہ، آپ اپنے کمرے میں جاؤ اب۔'' وہ کمرے سے نکل آئی تھی، مگر اس کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں، دل بے حد بوجھل تھا۔

☆☆☆

''اس انکار میں غلطی میں چاچو کی فیملی کی کیسے مان لوں مام! جبکہ مجھے اچھی طرح سے اندازہ ہے کہ آپ نے وہاں کیسے بات کی ہو گی، ایک بات دھیان سے سن لیں آپ، مجھے ہر صورت فلاح چاہیے، اگر وہ سیدھے طریقے سے آپ نے مجھے حاصل نہ کرنے دی تو میں ناجائز اور غلط طریقے اختیار کروں گا، چاہے اٹھوا کیوں نہ لوں اسے، اپنی پوزیشن کا خود خیال کر لیں، فلاح کسی بھی طرح لا کر دیں مجھے، ورنہ طوفان اٹھا دوں گا۔'' حیدر ان کے سامنے کھڑا انہیں دھمکیاں دے رہا تھا، تائی ماں دانستہ خاموش رہیں، جانتی تھیں اپنی اولاد کو انہی پہ گئی تھیں، اگر کسی بات کی ٹھان لی تو پھر پتھر پہ لکیر ہے، پھر ہار نہیں مانی، چاہے کتنا نقصان ہو جائے۔

''نظر کیا آ گیا تمہیں اس میں؟ چوہیا سی تو ہے بالکل۔'' ان کی نفرت ظاہر ہو گئی تھی۔

''جیسی بھی ہے مجھے چاہیے، پھر سوچیں مام! ان کی ساری جائیداد ہمارے پاس ہے، ہمارے پاس ہی رہے گی، اس جانب بھی دھیان دے لیں، ورنہ لڑکیاں پڑھی لکھی بھی ہیں باشعور بھی۔'' وہ ان کی توجہ دوسری جانب بھی مبذول کرا رہا تھا، وہ لالچی بھی تھا، فطرت میں یہ لالچ ماں کی طرف سے ہی آیا تھا، دوسری بار عاجزی سے رشتہ مانگتے بھی تائی ماں کو ذرا شرم نہیں آئی، مگر وہاں سے دوسری مرتبہ بھی اسی شدت سے انکار ہوا تو ان کا منہ لٹک گیا تھا، حیدر نے معاملے

کی خرابی کی سارا الزام اور غصہ بھی انہیں کو دیا تھا۔

''پہلے طریقے سے بات کی ہوتی تو یہ نوبت ہی نہ آتی۔'' وہ برہم تھا۔

''تو تم کر لو طریقے سے بات، یا اپنے باپ سے کہو وہ کر لے۔'' انہوں نے لحاظ نہ رکھا۔

''خود ہی کروں گا۔'' وہ تنفر سے کہتا پلٹ گیا تھا اور تایا جان سے صاف کہہ ڈالا۔

''مام چاہتی ہی نہیں ہیں میری شادی وہاں ہو، معاملہ انہوں نے دانستہ بگاڑا ہے۔''

''ہم سدھار لیں گے، تم فکر کیوں کرتے ہو بیٹے۔'' تاؤ جی نے مسکرا کر تسلی دی، جو ہو نہیں سکی تھی، جبھی وہ خود سدھار کی کوشش کی خواہش میں وہاں چلا آیا تھا، مگر فلاح اور عیشہ کی بحث جو اس تک اتفاقاً پہنچ گئی تھی، اسے اس اہم محاذ پہ فتح مند کرانے میں اہم کردار ادا کر گئی تھی۔

''صائم میں کوئی خامی نہیں وہ ہر لحاظ سے پرفیکٹ ہے مانتی ہوں، مگر میرے نزدیک اختلاف کی سب سے بڑی وجہ ہی اس کا نون لیگ کا حمایتی ہونا ہے، مختلف آراء مختلف سوچ کے ساتھ زندگی ایک ساتھ گزارنا ہرگز آسان کام نہیں ہوتا ہے، عیشہ! ماموں کی پوری فیملی اس معاملے میں کتنی پکی ہے یہ تو تم بھی جانتی ہو، جبکہ مجھے مفاد پرست ان لوگوں سے اتنی ہی چڑ اور نفرت ہے۔''

حیدر کو دانتوں پسینہ آ گیا تھا، وہ بھی تو نون لیگ کا حمایتی تھا، پھر یہ دال کیسے گلتی؟

''بھئی مجھے تو ایسے لوگوں پہ بھی بہت غصہ آتا ہے جو ہنوز نون لیگ کے حمایتی ہیں، آخر کس بنا پہ وہ اب بھی اندھا دھند یہ حمایت کا دم بھر رہے ہیں؟ ایک بندہ جو اپنے کرتوتوں کی وجہ سے ملک بدر ہوا تھا، جسے سعودیہ نے اس کی گزارش پہ سیاسی پناہ دی تھی، اب اتنا معتبر کیسے ہو گیا ہے کہ اسے ملک کی باگ دوڑ دے دی جائے، ہمارے عوام، کیا کہوں ایسے اندھے لوگوں کو، یہ محبت نہیں ہو سکتی، مفاد ہی ہو سکتا ہے، وہ بھی ذاتی انفرادی مفاد، ورنہ ملک کو تباہی کے دھانے پہ پہنچانے والے لوگوں کی فیور کرتے نظر نہ آتے، یہ کیوں بھول گئے تمام خطائیں ایک طرف، کارگل کی جیتی ہوئی جنگ اسی مفاد پرست آدمی کی وجہ سے ٹیبل پہ بیٹھ کر ہاری گئی تھی، جرائم کی فہرست اتنی طویل ہے اس کی کہ گنوانے بیٹھوں تو شام پڑ جائے مگر......''

''لیکن بجو! آپ ان باتوں کو لے کر جان نہ جلائیں، یہ مردوں کے کام ہیں، مرد ہی جانیں، عورت کو تو گھر اور بچے سنبھالنے ہوتے ہیں، آپ محض اس وجہ سے انکار کریں گی تو شنوائی نہ ہو گی۔'' عیشہ نے سمجھانا چاہا مگر وہ بھڑک کر رہ گئی تھی جیسے، جبھی ٹوک کر جھڑکا۔

''کیسے شنوائی نہیں ہو گی؟ میں نے ماس کمیونکیشن کی ڈگری کیوں لی ہے؟ گھر بیٹھنے کے لئے نہیں، مجھے اس شعبے میں کام بھی کرنا ہے، میں جس سے بھی شادی کروں گی، اسے یہ میری بات ماننی ہو گی کہ مجھے صحافت میں نام کمانے سے نہیں روکے گا۔'' فلاح نے جس شد و مد سے کہا، عیشہ گہرا سانس بھر کے رہ گئی تھی۔

''چلیں...... پھر تو سمجھیں ہو گی آپ کی شادی، ایسا کون ہو گا اعلیٰ ظرف یہاں؟ وہ بھی ہمارے خاندان میں، بجو عقل کے ناخن لیں پلیز۔''

''تم چپ رہو سمجھیں اور والدہ کو وجہ بتانے کی ضرورت نہیں، بس کسی بھی طرح جان چھڑانی ہے مجھے صائم سے۔'' وہ ٹھانے بیٹھی تھی، حیدر وہاں سے پلٹا تو اس کے ہونٹوں پہ مسکان تھی، وہ سوچ چکا تھا اسے کیا کرنا ہے۔

☆☆☆

''ارے ...... حیدر بھائی آپ؟'' موسم ابر آلود تھا، گرج چمک سے ہوتی بارش میں جبکہ والدہ اور بابا جان بھی گھر پہ نہ تھے، عیشہ کو پکوڑوں کی ہڑک جاگ گئی تھی، فلاح کی منت سماجت کرتے کچن میں بھیجنے کے بعد وہ خود چائے کی تیاریوں میں تھی، جب کال بیل کی آواز پہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر دروازے پہ آئی تھی، حیدر بالوں سے پانی جھٹکتا مسکراتا ہوا اندر آ گیا۔

''بارش نے مزید سفر کی اجازت دی نہ ہمت رہنے دی، جبھی چلا آیا۔'' وہ وضاحت کر رہا تھا، عیشہ مسکرا دی۔

''بہت اچھے ٹائم پہ آئے ہیں، ہم چائے کے ساتھ پکوڑوں کی عیاشی اڑانے والے تھے۔''

''ویل...... پکوڑے تو اس موسم میں مجھے بھی بہت پسند ہیں، اگر تمہاری بہن بنا کے کھلائے گی تو ساری عمر کو ذائقہ نہیں بھول سکوں گا۔'' عیشہ کی جانب جھک کر وہ شریر انداز میں راز داری سے گویا ہوا تو عیشہ ہنس پڑی تھی۔

''وہی بنا رہی ہیں، آپ بیٹھیں میں تولیہ لاتی ہوں۔'' حیدر وہاں بیٹھنے کے بجائے کچن میں ہی چلا آیا تھا، نگاہ کو مطلوب چہرہ ملا تو چمک اٹھی تھی۔

''السلام علیکم!'' وہ دونوں ہاتھ سینے پہ باندھے لو دیتی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''عیشہ مہمان کو اندر لے کر جاؤ، یہ کوئی بیٹھنے کی جگہ تھوڑی ہے، انہیں بتایا ہوتا بابا جان اور والدہ گھر پہ نہیں ہیں۔'' وہ خشک سرد آواز میں جتلا رہی تھی گویا، اس درجہ روکھے انداز پہ عیشہ صرف شرمندہ نہیں ہوئی، جزبز بھی ہو گئی تھی، آگے بڑھ کر تولیہ حیدر کی جانب بڑھایا۔

''آپ بارش میں کہاں خوار ہو رہے تھے بھائی، وہ بھی بائیک پہ، جبکہ آپ کی گاڑی بھی زبردست ہے۔'' خوشگوار انداز گفتگو بالخصوص اپنایا تھا، گویا فلاح کے رویئے کا ازالہ کرنے کی کوشش میں تھی، حالانکہ حیدر جس محاذ پر اترا تھا، وہاں ایسی معمولی بد دلی ہرگز اہمیت نہیں رکھتی تھی، جبھی وہ ہشاش بشاش تھا۔

''بس بائیک مجبوری تھی، جلوس میں گاڑی پہ شرکت نہیں کی جا سکتی تھی۔'' تولیے سے ہاتھ منہ صاف کرتا وہ اسٹول پہ ٹک گیا تھا اور براہ راست فلاح کو دیکھنے لگا۔

''آپ کیسی ہیں مہربان خاتون!'' عیشہ کی ہنسی ایک دم چھوٹی تھی۔

''مہربان خاتون!'' وہ کھل کھل کر رہی تھی۔

''واٹ ہیپنڈ؟'' حیدر نے معصومیت سے آنکھیں پٹپٹا کر اسے دیکھا۔

''آپ کو اب یاد آیا احوال دریافت کرنے کا؟'' جواباً حیدر نے طویل و عریض قسم کی سرد آہ بھری تھی، پھر بے چارگی سمیت انتہائی یاسیت سے گویا ہوا تھا۔

''ہم تو منتظر تھے، مغرور لوگ شاید ہمیں لفٹ کرا دیں، مگر اپنی ایسی قسمت کہاں۔'' وہ خود اپنے اوپر رحم کھا رہا تھا، فلاح کے گھورنے پہ عیشہ کو اس موضوع کو یہیں چھوڑنا پڑا۔

''آپ کسی جلوس کا بتا رہے تھے، جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے تو آج نون لیگ کا کوئی جلسہ نہیں تھا۔'' عیشہ نے بات بدل دی تھی، حیدر سنبھل کر بیٹھ گیا اور فلاح کو دیکھا، جو اپنے کام میں بظاہر پوری طرح مگن تھی، مگر اس کی آمد سے ڈسٹرب ہو چکی تھی اور جزبز بھی۔

''کپتان کا جلسہ تھا ناں آج یار! اور میں ٹھہرا ان کا ازلی فین، یو نو واٹ عیشہ، جب میں پندرہ سال کا تھا ناں، تب کپتان پہلی بار الیکشن

میں کھڑے ہوئے تھے، میرا ووٹ تو تھا نہیں مگر اسپرٹ ضرور تھا، میں نے اتنی ضد کی تھی مام سے کہ رو رو کے سہی مگر انہیں کپتان کو ووٹ دینے پہ مجبور کر دیا تھا، انہیں قریب سے دیکھنا میرے لئے ہمیشہ خوشگوار احساس ہوتا ہے، جبھی جلوس میں شامل ہوا تھا، تمہیں ملنا ہے اگر کپتان سے تو اگلی بار چلنا میرے ساتھ۔'' اپنے کارنامے سناتا ہوا وہ جتنا مگن تھا اس سے کئی گناہ زیادہ اس کی توجہ کا ارتکاز فلاح پہ لگا ہوا تھا، جس کے چہرے کا رنگ کتنی بار بدلا تھا، وہ کڑاہی سے پکوڑے نکالنا بھول کر غیر یقینی سے اسے دیکھتی جا رہی تھی۔

''مجھ سے زیادہ تو بجو کو شوق ہے کپتان کو قریب سے دیکھنے کا، آپ ایسا کرنا انہیں لے جانا۔'' عیشہ کا لہجہ اس کا انداز سراسر شرارتی ہوا تھا، فلاح نہ صرف سرخ پڑی بلکہ سنبھل بھی گئی تھی کہ حیدر اب چونکنے کی اداکاری کرتا ہوا اسے خوشگوار حیرت سے دیکھنے لگا تھا۔

''ریئلی؟ حیرت انگیز طور پہ ہماری یہاں پسند مل گئی ہے مبارک ہو۔'' وہ شریر ہوا تھا اور دانت نکالتے ہوئے اپنا ہاتھ مصافحے کو اس کی جانب بڑھا دیا، فلاح بدک سی گئی چمچ کڑاہی میں پٹخا اور چولہا بند کر دیا۔

''پکوڑے بن گئے ہیں، یہ نکال لو۔'' وہ دھپ دھپ کرتی باہر نکل گئی، عیشہ گہرا سانس بھرتی کوکنگ رینج کے سامنے آن کھڑی ہوئی تھی اور چمچ کی مدد سے پکوڑے ڈش میں منتقل کرنے شروع کیے۔

''مجھے یقین نہیں آ رہا ہے بھائی! آپ سب تو نون لیگ کے حامی ہیں اور......''

''ششش...... پاگل۔'' وہ ہونٹوں پہ انگلی رکھتا جیسے بلبلا اٹھا۔

''کوائیٹ سلی گرل، سارا معاملہ خراب کرو گی، تمہاری بہن کو رام کرنے کو بنیل رہا ہوں یہ سارے پاپڑ۔''

''واٹ؟'' وہ بھونچکی رہ گئی، حیدر حتلجی ہونے لگا تو وہ بے بس ہوئی تھی۔

''مگر یہ تو سراسر دھوکہ ہے بھائی!'' عیشہ اس کے اصرار پہ گھبراہٹ میں مبتلا ہو کر کہہ گئی۔

''کیسا دھوکا؟ جو ماضی میں ہوا سو ہوا، میں پارٹی بدل لوں گا، وہی کروں گا جو تمہاری سسٹر چاہے گی۔''

''واقعی؟'' عیشہ کی آنکھیں چمکنے لگیں مگر یقین نہیں آتا تھا۔

''ہرگز شک نہ کرو لڑکی۔'' وہ مسکرانے لگا تھا۔

''اتنی محبت کرنے لگے ہیں فلاح سے؟'' عیشہ کی مسکراہٹ بے اختیار ہوئی۔

''اس سے بھی کہیں زیادہ کہ۔''

بے پناہ بے قدر بے حد بے اختیار ہو کر
ہم نے انہیں اتنا چاہا کہ انتہا کر دی

وہ گنگنایا تو عیشہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہی سکی تھی۔

''عیشہ چائے مجھے بھی دے جاؤ یہیں۔'' وہ باہر سے ہی چلائی تھی، عیشہ کے ساتھ حیدر نے بھی سرد آہ بھر لی۔

''تمہاری بہن کو متاثر کرنا اتنا بھی آسان نہیں ہے۔'' اس نے منہ بسورا، عیشہ ہنستی چلی گئی تھی، پھر اسے چھیڑنے سے باز نہ رہ سکی۔

''اتنا مزہ آتا تھا اگر آپ نہ آتے، اب وہ اکیلی چائے پیئے گی، ہم اکیلے۔'' اپنی بات کہہ کر وہ خود ہی حظ لے کر ہنسنے لگی۔

''اتنا مغرور نہ ہو تم، وہ وقت دور نہیں جب ہم دو ہوں گے اور اکیلی تم ہو گی۔'' وہ بھی کہاں کم تھا، بازی الٹا دی تھی، عیشہ محض اسے گھور کر رہ

گئی۔

☆☆☆

فلاح صبح کے لئے یونیورسٹی جانے کے لئے کپڑے استری کر رہی تھی جبکہ عیشہ نوٹس بنا رہی تھی، جب اس کے سیل فون پہ وائبریشن ہونے لگی تھی، اس نے سائیڈ پہ دھرا فون اٹھایا تو دھک سے رہ گئی، کال حیدر کی تھی، اس روز وہ جاتے ہوئے اپنا نمبر اس کے موبائل میں محفوظ کر گیا تھا، کہ وہ فلاح کے حوالے سے آگاہی کے لئے وہ اس سے رابطے میں رہنا چاہتا تھا، عیشہ نے فلاح کو دیکھتے ہوئے کال ڈس کنکٹ کر دی اور عجلت میں ایک ٹیکسٹ اسے کیا تھا۔

''بھائی پلیز ڈونٹ کال می، بجو اس وقت میرے ساتھ ہیں، میں بات نہیں کر سکتی۔''

''تو پھر کب؟'' اگلے لمحے اس کا میسج آ گیا تھا، وہ بے چین تھا، یہ صاف ظاہر تھا۔

''میسج پہ پوچھ لیں جو پوچھنا ہے۔'' عیشہ کو اس پہ ترس آیا۔

''فلاح مان گئی کیا؟'' حیدر سوال کر رہا تھا۔

''ہماری اس موضوع پہ دوبارہ بات نہیں ہوئی ہے بھائی! مگر یہ طے ہے کہ وہ صائم سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔'' اس نے واضح کر دیا تھا، حیدر اصل موضوع پہ آ گیا۔

''تو تم میرے لئے ہموار کرو نا اسے، اس بار ڈیڈ آئیں تو انکار نہیں ہونا چاہیے۔''

''بجو کی کچھ شرائط ہیں بھائی! شادی کے بعد وہ جاب کرنا چاہیں گی۔'' اس نے کھل کر بات کرنا مناسب سمجھا۔

''ہاں تو کر لے، صوحا وغیرہ بھی تو کر رہی ہیں ناں۔'' حیدر نے لاپرواہی کا مظاہرہ کیا۔

''لیکن بجو کسی چینل کے لئے کام کریں گی، ٹی وی پہ آئیں گی، ہاں پردے کا خیال وہ خود رکھتی ہیں۔'' عیشہ نے اس کے عزائم بیان کیے، یہ جانے سمجھے بغیر کہ وہ جانتا ہے اور کچھ ٹھانے بھی بیٹھا ہے۔

''مینشن ناٹ عیشہ! میں ہرگز کنزرویٹو نہیں ہوں۔''

''تو پھر بہتر ہے آپ خود کھل کر ان سے بات کر لیں، میرا نہیں خیال کہ اس کے بعد وہ انکار کر سکیں گی۔'' اس نے بات ختم کر دی، حیدر سوچ میں پڑ گیا، اگلے دن وہ خود فلاح کے سامنے تھا، فلاح کترا کر نکل جانا چاہتی تھی کہ وہ عاجز ہو کر ٹوک گیا تھا۔

''فلاح پلیز! تم جانتی ہو میں شادی کرنا چاہتا ہوں تم سے۔''

''مگر میں انکار کر چکی ہوں۔'' فلاح اسے نظر انداز کر رہی تھی۔

''مگر انکار کی وجہ؟ فلاح میں وہ چاہوں گا جو تم چاہتی ہو، زندگی آسان تب ہوتی ہے جب دونوں فریقین باہم رضامندی سے ہر کام کریں، سمجھ رہی ہو؟'' فلاح تھم سی گئی تھی، اس نے گردن موڑ کر سنجیدگی سے اسے دیکھا تھا۔

''آپ واقعی کپتان میرا مطلب پی ٹی آئی کے ساتھ ہیں؟'' وہ جانچتی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی، حیدر کو لگا جیسے ایکدم فتح کے قریب جا پہنچا ہے۔

''ہاں بالکل اور میں تمہیں سپورٹ کروں گا تمہارے ہر معاملے پہ۔''

''سچ کہہ رہے ہیں؟'' وہ غیر یقین تھی، ایک بار پھر ایک مرد نے داؤ کھیلا تھا، ایک بار پھر ایک عورت دھوکہ کھا رہی تھی۔

''محبت میں سچ کہا جاتا ہے فلاح! تمہیں یقین کیوں نہیں آ جاتا۔'' اسے لو دیتی نظروں سے دیکھتا وہ مدھم گمبیھر لہجے میں بولا، داؤ چل گیا، مرد

کامیاب ٹھہرا، عورت پھر دھوکہ کھا گئی، اس کی گلابی پڑتی رنگت جھک کر لرزتی پلکیں اس کی ہار کی گواہ بن گئی تھیں، حیدر کی مسکراہٹ گہری ہوتی چلی گئی۔

''میں جاب کرنا چاہوں گی، آپ کو میرے ٹی وی پہ آنے پہ اعتراض تو نہ ہوگا؟''

''ہرگز ہرگز بھی نہیں۔'' اس کی مسکراہٹ ہنسی کی حد کو چھو آئی، فلاح بے خبر تھی بے خبر رہی، اسے لگا اس کے سر سے کوئی بوجھ اتر گیا ہو۔

''پھر ٹھیک ہے، کر لیں بابا جان سے بات، اب انکار نہیں کروں گی۔'' وہ وہاں سے اٹھ گئی، حیدر بے اختیار ہنسنے لگا، وہ اپنی فتح کو انجوائے کر رہا تھا، بعد میں کیا کرنا تھا کیا ہونا تھا، یہ فلاح کے نہیں اس کے اختیار میں تھا، اس کا خیال تھا عورت پہ ایک بار اختیار حاصل کر لو، اسے اپنے گھر لے آؤ پھر جیسے چاہو رکھو اسے، جو چاہے منوا لو اسے، اسے کہاں جانا ہوتا ہے، وہ ان زنجیروں کو نہیں توڑ سکتی جو مرد اس کے پیروں میں ڈالتا ہے۔

نکاح کی زنجیر، اپنی محبت کی زنجیر، اپنی اولاد کی زنجیر۔

☆☆☆

پھر واقعی انکار نہ ہوا، ایک فلاح ہی راضی نہ تھی، ورنہ بابا جان کو تو پہلے ہی اعتراض نہیں تھا، والدہ جتنا بھی خفا ہوئیں مگر بابا جان کا موقف تھا۔

''زندگی بچوں کو گزارنا ہوتی ہے مرضی اور پسند بھی انہی کی ہونی چاہیے، بیگم صاحبہ! ہم سفر کوئی جوتا یا لباس نہیں ہوتا کہ جسے دل پہ جبر کر کے ناپسندیدہ ہونے کے باوجود ایک بار پہن لیا، یہ زندگی کا ایسا ساتھی ہوتا ہے جس سے دل نہ ملتا ہو، پسندیدگی کا احساس نہ ہو، تو زندگی جیسی تکلیف دہ چیز اور کوئی دوسری نہیں ہوتی۔''

حیدر اپنی فتح پہ بہت سرشار تھا اور شادی فوری چاہتا تھا، مگر فلاح ہرگز بھی تعلیم مکمل کیے بغیر شادی پہ آمادہ نہیں تھی، مگر چلی حیدر کی ہی تھی، وہ ایک بار جیت گیا تھا تو آئندہ زندگی میں ہر مقام پہ اسے ہی جیتنا تھا، یہ اسے یقین تھا، ان کی شادی جن دنوں طے ہوئی انہی دنوں میں الیکشن کی تیاریاں بھی زوروں پہ تھیں اور فلاح کپتان کو دیکھنے اس کے جلسے میں شریک ہونے کو بے قرار تھی۔

''والدہ نے ہمیں کبھی اس کی اجازت نہیں دی، آپ ہمیں لے چلیں ناں وہاں پلیز۔'' وہ منت پہ اتر رہی تھی اور حیدر جز بز ہوا جاتا تھا اور ہر صورت ٹالنے پہ تلا تھا۔

''مگر چچی جان کو پتا لگ جائے گا تو۔''

''نہیں پتا چلے گا ناں، آپ کہہ دینا، شاپنگ کے لئے لے کر جا رہا ہوں۔'' اس کا اصرار بڑھنے لگا تو حیدر کو جان چھڑانا مشکل ہونے لگی۔

''اوکے چلیں گے۔'' اور اسے ساتھ لے آیا تھا، مگر کپتان تک پہنچنا کہاں ممکن تھا، ویسے بھی وہ ابھی پہنچے نہیں تھے، وہاں روایتی گہما گہمی تھی، ان کے متوالوں کا جوش و خروش دیدنی تھا، فلاح بھی بے حد پرجوش تھی، سلیقے سے دوپٹہ اوڑھے پی ٹی آئی کے جھنڈے کو حجاب کے انداز میں چہرے پہ لپیٹ رکھا تھا اور جب کپتان آئے، ہر شے پہ وہی چھا گئے، اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ وہ بندہ آج بھی ہمیشہ کی طرح دلوں کو تسخیر کرنے کا باعث تھا۔

گریس فل، شاندار، وجیہہ، بے پناہ وجیہہ اور دراز قامت، فلاح انہیں عقیدت مندانہ نظروں محترم جذبات سمیت دیکھتی رہی، وہ عام حکمرانوں یا سیاست دانوں جیسا روایتی خطاب

نہیں کرتے تھے، ان کے انداز میں قائداعظم جیسا جوش خطابت اور ولولہ انگیز الفاظ تھے، جن سے اپنائیت سادگی اور عزم چھلکتا تھا، تدبر چھلکتا تھا، وہ ذاتی نہیں اجتماعی اور قومی مفاد کے اصلاح کے خواہاں تھے، ان کی زیرک نگاہ ملک کے معمولی مسائل پر بھی گہری تھی، ان مسائل کے حل کی خواہش اور لگن ان کی آنکھوں سے چھلکتی پڑتی تھی، انہوں نے اپنا شاندار یادگار قابل ستائش ماضی نہیں دہرایا، انہوں نے مستقبل کے سنہرے خوابوں کا ذکر کیا، ان کے الفاظ نوجوانوں کے دلوں میں امنگ جوش اور جذبے پیدا کرنے کا باعث بن رہے تھے، فلاح بھی واپس لوٹی تو بے حد سرشار تھی، مسکراہٹ ہونٹوں سے الگ ہوتی ہی نہ تھی۔

''میری ایک خواہش پایہ تکمیل کو پہنچی، کپتان کو ریئل میں دیکھنے کی خواہش، تم دیکھنا اک وقت وہ بھی آئے گا، میں کپتان کے ساتھ بیٹھوں گی ان کا انٹرویو کرنے کی خاطر۔'' اس کی آنکھوں میں سنہرے مستقبل کے سنہرے سپنے جھلمل کرتے تھے، عیشہ مسکرا دی، جبکہ حیدر رقابت کی آگ میں اس روز پہلی بار بھڑ بھڑ جلا تھا، اس کے چہرے پہ برہمی تھی، کدورت تھی اور کوئی عزم بھی، فلاح کے سارے سپنے بکھیر دینے کا عزم۔

☆☆☆

الیکشن ان کی شادی سے کچھ دن پہلے آ گئے تھے اور اس سے بھی پہلے وہ حادثہ رونما ہو گیا، جس نے پاکستانی قوم کے دلوں کی دھڑکنوں کو روک لیا تھا، فلاح تو اس جلسے میں بھی جانا چاہتی تھی، مگر والدہ اسے شادی سے ایک ہفتہ قبل کسی طور بھی گھر سے باہر نکالنے پہ آمادہ نہ تھیں، حیدر بھی پس و پیش سے کام لے رہا تھا اسے کامیابی نہ ہو سکی، مگر لمحہ لمحہ کی رپورٹ کے لئے ٹی وی کی جان نہ چھوڑی، اس وقت صحیح معنوں میں زمین اس کے قدموں سے نکل گئی اور آنکھوں تلے اندھیرے چھاتے چلے گئے تھے جب سیاسی سازش کا شکار ہوئے کپتان اتنی بلندی سے سر کے بل گرے اور موت و زیست کی کشمکش کا شکار ہو گئے، وہ لمحے جتنے جان لیوا تھے اسی قدر تھم کر رہ گئے تھے جیسے، تمام ٹی وی چینلو الرٹ تھے اور لمحہ لمحہ کی رپورٹ پیش کر رہے تھے، بھانت بھانت کے بیانات اور تبصرے، فلاح کو لگتا تھا کپتان سے پہلے اسے لازماً کچھ ہو جائے گا، اعصاب پہ ایسے ہی خوف و ہراس اور وحشت کا غلبہ تھا، دہشت ایسی جس کا کوئی انت نہ تھا، اسے اپنی خبر نہ رہی تھی، سوجھی آنکھوں میں سراسیمگی لئے وہ لڑکی ایسی نظر آتی تھی جس کا سب کچھ اس لمحے داؤ پہ جا لگا ہو، وہ اپنی خبر رکھتی بھی تو کس طرح، وہ اتنی حساس تھی، وہ اتنی خواہش مند تھی، پاکستان کی تقدیر بدلے جانے کے حوالے سے، قسمت سے ایک سچا کھرا لیڈر ملا تھا، وہ بھی خدانخواستہ...... وہ ایسا کوئی تصور کرتے بھی لرزتی تھی، اس کے بعد کون تھا اس جیسا، وہ کس کی طرف امید سے دیکھے گی، کون آگے بڑھے گا، ایک ایک لمحہ اس پہ قیامت کی طرح بھاری تھا، گویا سر پہ سورج کی بے رحم شعاعوں کی تپش تھی اور پیروں تلے پل صراط، امیدیں ہر لمحہ کٹ کٹ کر گرتی تھی اور اذیت سے برا حال تھا، کپتان کی حالت تشویش ناک تھی، ڈاکٹرز دعا کا کہہ رہے تھے، یہ ٹائم انتہائی اہم تھا، وہ نفل پڑھنے لگی کبھی سجدے میں گر جاتی، پھر اٹھ کر بے قراری سے ٹہلنے لگتی، سارا وجود جیسے برف میں دفن ہوتا محسوس ہو رہا تھا، آنسو بے بسی کی انتہائی کیفیت میں بعل بعل بہتے تھے۔

''تو کیا کپتان کی اس ساری تپسیا کا یہ

انجام ہونا تھا۔'' اک خیال ذہن میں در آیا اور وہ لرزنے لگی، خوف کا مایوسی کا سرد احساس اس کے دل پہ اپنے منحوس پنجے مارنے لگا، بے بسی کے شدید احساس سمیت ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر سسکنے لگی، دعا مانگنے لگی، تڑپنے لگی، ایسے میں حیدر کی کال آئی تو کسی طرح بھی خود پہ ضبط کیے بنا وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھی۔

''حیدر! آپ نے دیکھا کیا ہو گیا۔'' وہ بلک پڑی تھی۔

''کیا ہو گیا؟'' حیدر کھٹک سا گیا، اسے تو کپتان کے حوالے سے ایسی کوئی خبر بھی نہ ملی تھی، وہ تو دوستوں کے ہمراہ محفل میں مزے لوٹ رہا تھا، نیوز وغیرہ سے اسے بس اپنے باپ کی اہم خبر تک دلچسپی ہوتی وہ بھی ماما اسے بتایا کرتیں، تب سن لیا کرتا۔

''کپتان...... انہیں کچھ ہو گا تو نہیں نا حیدر!'' اس کے لہجے میں خوف ہی خوف تھا۔

''انہیں کیا ہونا ہے یار! اچھے بھلے تو ہیں۔'' وہ بدمزہ ہوا تھا۔

''تو کیا آپ کو معلوم نہیں ہے، کپتان گر گئے ہیں، بہت سیریس حالت ہے ان کی، حیدر پلیز دو رکعت نماز حاجت پڑھیں، دعا مانگیں ان کی زندگی کی، ہم ہرگز انہیں کھونے کی پوزیشن میں نہیں ہیں، پلیز ابھی جائیں مسجد۔'' وہ التجاؤں پہ اتر آئی، وہ گڑگڑا رہی تھی، حیدر کے چہرے پہ ناگواری اتر آئی، البتہ لہجہ نارمل رکھا اور اسے تسلی دے کر فون بند کر دیا۔

''بے وقوف احمق لڑکی! پاگل ہوں میں جو رقیب روسیاہ کے لئے دعائیں مانگوں۔'' وہ بڑبڑا رہا تھا، ادھر فلاح پھر سے دعائے شفا پڑھ رہی تھی، یہ اس جیسے لوگوں کی التجائیں تھیں گڑگڑا کر مانگی دعائیں تھیں کہ اللہ نے کپتان کی زندگی بخش دی تھی اور وہ روبصحت ہوتے چلے گئے تھے الحمدللہ، فلاح کو لگا تھا صرف کپتان نہیں وہ بھی پھر سے جی اٹھی ہے، کپتان ٹھیک تو ہو گئے مگر الیکشن میں شریک نہ ہو سکے، ووٹنگ ہوئی، الیکشن ہوئے اور مقصد حاصل کر لیا گیا، یعنی تاریخی اور پیمانے پہ دھندلی کر دی گئی اور بے ضمیر لوگ پھر دوبارہ کرسیوں پہ قابض ہو گئے، پاک وطن پھر سے چوروں کے ہاتھوں سے نکل کر ڈاکوؤں کے قبضے میں چلا گیا، دکھ بڑا تھا مگر کیپٹن کی زندگی کی نعمت کی خوشی بڑی تھی، فلاح کو تو کم از کم یہی لگتا تھا، اس نے خود کو تسلی دے لی تھی، یار زندہ صحبت باقی۔

☆☆☆

جب ان کی شادی ہوئی تو فلاح بہت حد تک نارمل ہو چکی تھی، مگر شادی پہ جیسے جیسے فنکشن ہوئے اور جس قسم کی وہاں حرکات ہوئیں انہیں ہرگز بھی سراہا نہیں جا سکتا تھا، مردوں نے شراب کا کھلم کھلا استعمال کیا، عورتوں نے ڈانس کے شغل کے نام پہ بے ہودگی کی انتہا کر دی، صوحا وثنا نے بھی اپنی دیگر کزنز کے ساتھ ڈانس کیا، کپل ڈانس میں ان کے ساتھ ان کے کولیگز اور کزن شامل ہوتے رہے، ان کے ہاں اس قسم کے بے حیائی و بے تکلفی کے مظاہروں کو غلط نہیں سمجھا جاتا تھا، فلاح اس قسم کے ہنگاموں اور رسموں سے بے حد پریشان اور کنفیوژ ہو چکی تھی، اس وقت اس کا موڈ اور بھی خراب ہو گیا تھا جب حیدر نے بھی اپنی کزن کے ساتھ ایسا ہی واہیات ڈانس پیش کیا تھا، اس سے قبل وہ سب کے اکسانے پہ فلاح کو بھی اٹھانا چاہ رہا تھا اس خرافات کے لئے، اس کے انکار پہ اس نے کزن کی پیشکش رد نہیں کی تھی، وہ جتنی جزبز تھی، جتنی خفا تھی یہ اس کے چہرے پہ لکھا ہوا تھا جسے پڑھتے ہی تائی جان نے اسے

منظر سے غائب کرانا مناسب سمجھتے اسد کو اس کے کمرے میں چھوڑ کر آنے کا کہا تھا، اسد فلاح کا دیور اور حیدر کا چھوٹا بھائی تھا، اس کے بھاری لباس کی وجہ سے سہارا دے کر اسے کمرے میں پہنچانا چاہتا تھا، فلاح تو سنتے ہی بدک کر رہ گئی تھی جیسے۔

''میں اسد بھائی کے ساتھ اوپر نہیں جاؤں گی تائی جان، آپ سہارا دیں مجھے، نہیں تو صوحا یا ثنا آپی سے کہہ دیں۔'' وہ سخت جزبز ہو کر کہہ رہی تھی، اس کے لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ تائی ماں کے ساتھ اسد کو بھی ناگوار خاطر ہوا تھا۔

''کیوں؟ اسد کے ساتھ کیا اعتراض ہے اور میری ہڈیوں میں اتنا دم خم نہیں کہ اتنی سیڑھیاں چڑھوں وہ بھی تمہیں سہارا دے کر، اسد ہی چھوڑ آئے گا، دیور ہے تمہارا، یعنی بھائی، گریز کیسا؟'' انہوں نے تیکھے انداز میں انکار کرتے اپنی بات بھی منوانا چاہی، فلاح دوبارہ صوفے پہ بیٹھ گئی۔

''جی دیور ہیں، بھائی سمجھتی ہوں انہیں، مگر سگے نہیں ہیں، اگر آپ سے یا آپی سے یہ کام نہیں ہو سکتا تو پھر حیدر سے کہہ دیں۔'' بات غلط نہیں تھی، مگر غلط معنوں میں لے لی گئی، تائی جان گال پیٹنے لگیں، ان کے خیال میں لڑکی نے اتاؤلے پن کے ساتھ بے شرمی و بے حیائی کی انتہا کر دی تھی۔

''توبہ توبہ بھئی، آج کل کی لڑکیوں میں ذرا شرم نہیں، کیسے منہ پھاڑ کر شوہر کو قریب لانے کا بہانہ ڈھونڈ لیا، ایک ہمارا دور تھا، کئی کئی مہینوں شوہر سے گھونگھٹ نکال کر رکھا کرتے تھے۔'' وہ اور بھی بہت کچھ کہہ رہی تھیں، جسے اسد نے بہت انجوائے کیا تھا اور بھاگ کر حیدر کو بلا لایا بلکہ ساری صورت حال سے بھی آگاہ کر دیا، وہ ہنستا ہوا آ کر اس کے پہلو میں کھڑا ہو گیا۔

''میں نے سنا ہے تم بہانے سے مجھے بلا رہی ہو، بہانے کی کیا ضرورت، ایسے ہی آواز دے لیتیں۔'' اس کی نظریں شوخ تھیں، فلاح بے تحاشا سرخ پڑ گئی، آنکھیں جلنے سی لگیں، کیسے لوگ تھے، بات کا بتنگڑ بنانے والے۔

''آؤ اپنے کمرے میں چلتے ہیں۔'' حیدر نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اٹھا کر کھڑا کر دیا، اس کی پلکوں پر لرزتے آنسو گالوں پہ پھیل گئے، وہ گریزاں بھی تھی اور شرمسار بھی۔

''چھوڑیں مجھے میں چل سکتی ہوں۔'' وہ پیچھے ہٹ کر بولی تھی، حیدر نے چونک کر اسے دیکھا اور جیسے خفگی کی وجہ سمجھ کر ہی اسے بازوؤں پہ اٹھا لیا تھا، وہ جتنا بھی کسمسائی مگر پرواہ نہیں کی گئی، وہ اسے یونہی اٹھائے سیڑھیاں چڑھنے لگا، فلاح دھک سے رہ گئی تھی، بہت سی چبھتی نظریں اس کو اپنے وجود میں سوراخ کرتی محسوس ہو رہی تھیں۔

''کسی کی بات کو محسوس کرنے کی ضرورت نہیں، ریلیکس۔'' وہ اسے حوصلہ دے رہا تھا، فلاح کا دل بھرانے لگا۔

''میرا مقصد وہ نہیں تھا جو تائی اماں سمجھیں، یا جو آپ سمجھے، دیور کو حدیث مبارکہ میں آگ سے تشبیہ دی گئی ہے، میں ہرگز کسی کو اتنی بے تکلفی کی اجازت نہیں دے سکتی۔'' اس کے بازوؤں سے نکلنے کو مزاحمت کرتی وہ جیسے وضاحت کر رہی تھی، حیدر بے ساختہ ہنسنے لگا۔

''کم آن یار! تمہیں غلط سمجھ کون رہا ہے اور ذرا یہ اپنا بازو میری گردن میں تو ڈالو، واقعی لباس بہت بھاری ہے، ورنہ تم اتنی طاقت ور تو نہیں کہ مجھ سے اٹھائی نہ جاؤ۔'' اس نے شرارت سے کہتے اس کا دھیان واقعی بٹا دیا تھا، فلاح کا حجاب سے خفت سے برا حال ہو گیا، ایک بار پھر وہ اس

کی گرفت میں مچلی مگر حیدر نے اسے کمرے میں لا کر بیڈ پہ بٹھا دیا تھا، پھر دونوں بازو سینے پہ لپیٹ کر اسے سنبھل کر بیٹھتے اپنا دوپٹہ اور بندیا درست کرتے مبہوت ہو کر دیکھنے لگا۔

''فلاح!'' وہ بولا تو اس کی آواز گمبھیر تر تھی، آگے کی سمت جھک کر اس نے دونوں بازو بیڈ پہ رکھ دیئے تھے، اب وہ براہ راست اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا، فلاح کا دل دھڑک اٹھا، پلکیں جھک گئیں، رنگت گلابی ہونے لگی۔

''فلاح میری جان! تم کتنی پیاری لگ رہی ہو، تمہیں اندازہ ہے؟'' فلاح کچھ نہیں بولی، دھیرے دھیرے کانپنے لگی۔

''اک بات مانو گی فلاح!'' وہ سوال کر رہا تھا۔

''کیا بات؟'' فلاح نے چونک کر لمحہ بھر کو اسے دیکھا۔

''کپتان کے لئے اپنی پسندیدگی ہر کسی پہ ظاہر نہ کرو گی۔'' مطالبہ ہوا تھا، وہ ایکدم چپ کر گئی۔

''دیکھو ناں، ہر کوئی صاف ستھری سوچ کا مالک نہیں ہوتا، وہ بہت ہینڈسم ہیں، بہت ڈیشنگ لڑکیاں آج بھی ان پہ دوسرے انداز میں ہی مرتی ہیں، تمہاری باتوں سے بھی لوگ ایسا ہی مطلب اخذ کریں، مجھے ہرگز اچھا نہیں لگے گا۔'' وہ قائل کر رہا تھا، فلاح آہستگی سے مسکرا دی اور محض سر ہلا دیا۔

''ایک اور بات...... اگر زندگی میں کبھی مجھ میں اور کپتان میں انتخاب کا مرحلہ درپیش ہوا تو تمہارا انتخاب میں ہوں گا ناں؟ مجھے یقین دلا دو۔'' وہ سوال کر رہا تھا، فلاح بھونچکی ہو کر رہ گئی۔

''یہ کیوں کہا آپ نے؟ ایسا کیوں ہو گا بھلا؟'' وہ ششدر تھی۔

''بتاؤ ناں تم۔'' وہ بضد تھا، اصرار کرنے لگا، فلاح عاجز ہوئی، مضطرب ہونے لگی۔

''یہ کیسا سوال ہے حیدر؟ کیسا موازنہ؟ میں کیسے بتاؤں آپ کو کہ آپ کا اور کپتان کا کوئی مقابلہ ہے ہی نہیں، آپ بس آپ ہیں، کپتان صرف کپتان ہی ہیں، پھر ایسا مرحلہ کیوں درپیش ہو گا؟ پھر ایسا قیاس بھی کیوں کیا جائے؟'' وہ عاجز ہو کر کہہ رہی تھی، مگر ادھر اصرار جاری رہا۔

''پھر بھی...... میری تسلی کو ہی کہہ دو۔''

''حیدر! ان کے حوالے سے جو میرے جذبات و احساسات ہیں، ان سے آپ آگاہ ہیں، آپ کو ان پہ اعتراض بھی نہیں تھا، جبھی آج میں اس حیثیت سے آپ کے سامنے ہوں، آپ ان خواہشات کی تعمیل کے لئے میرے ہمراہ ہوں گے آپ مجھے یقین دلا چکے، پھر اس سوال کا اس اصرار کا کیا جواز باقی رہتا ہے؟'' وہ متفکر بھی تھی، مضطرب بھی، حیدر کو بے تحاشا غصہ آنے لگا، اس نے جانا تھا، فلاح اتنی بھی سیدھی اور بے وقوف نہیں تھی، جتنی وہ اسے سمجھ رہا تھا، وہ زندگی کے آغاز پر ہرگز ایسا کوئی عہد ایسا کوئی وعدہ کرنے پہ آمادہ نہیں تھی، جو آنے والے وقت میں اس کے لئے کوئی روکاٹ کھڑی کر دیتا، اسے لگا وہ اس اہم مقام پہ جیت کر بھی نہیں جیتا، مگر اس جیت کو کیسے دائمی کیسے بنانا ہے، اس سے آگاہ تھا وہ۔

☆☆☆

ان کی شادی کی تقریب ختم ہوئی تو دعوتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا، وہ چونکہ ہرگز بھی شوقین نہیں تھی جبھی اکتانے سی لگی تھی، اس روز بھی حیدر نے اسے تیار ہونے کا کہا تھا، وہ بے زار لگ رہی تھی، ذہن بٹانے کو اس نے عیشہ سے بات کرنا چاہی تھی، فون اٹھایا تو کسی انجان نمبر سے میسج تھا،

وہ بے دھیانی میں کھول کر پڑھنے لگی، اگلے لمحے اس نے ہونٹ بھینچتے بے حد خراب موڈ کے ساتھ میسج ڈیلیٹ کرتے سیل فون پٹخ دیا تھا، اندر داخل ہوتے حیدر نے اس حرکت کو بالخصوص نوٹس کیا۔

”خیریت؟ کس پہ آرہا ہے اتنا غصہ؟“

”جیت ہضم نہیں ہو رہی، گھٹیا جگت بازی پہ اتر رہے ہیں نون لیگی۔“ وہ روہانسی ہو رہی تھی، حیدر نے بھنوؤں کو سوالیہ انداز میں سکیڑ کر جنبش دی۔

”مطلب......؟“

”فارورڈ میسج تھا، کہ نیا پاکستان کیسے بنتا، ان کا مستری تو عمارت بنانے سے قبل ہی بیمار ہو گیا۔“ اس کی آنکھوں میں آنسو اتر رہے تھے، حیدر گہرا سانس بھرتا اس کے کاندھوں پہ ہاتھ رکھ گیا، وہ جانتا تھا انسلٹ کا یہ انداز عالی شان کپتان کے لئے اس کی عزیز از جان بیوی کو ہرگز پسند نہیں آیا تھا، وہ ستھری سوچ کی مالک تھی، سطح سے گر کر بات چیت اسے پسند نہیں آسکتی تھی، اس کا نظریہ تھا، اختلافات نظریات سے ہونے چاہیں شخصیات سے نہیں اور ان اختلافات کی وضاحت دلیل سے کی جانی چاہیے، تذلیل سے نہیں، حیدر بڑی مشکلوں سے اسے کمپوزڈ کر پایا، کتنی دیر اسے سمجھاتا رہا۔

”میری جان! میری جان! مستری کسے کہتے ہیں؟ معمار کو ناں، معمار وہ ہوتا ہے جو کسی بھی چیز کو بناتا ہے، تعمیر کرتا ہے وہ تعمیر عمارت کی بھی ہو سکتی ہے، اخلاقیات کی بھی، نظریات و احساسات کی بھی، ہاں ہیں کپتان مستری......مگر انقلاب کے، شعور و بیداری کے، نئے پاکستان کے، جیسے پاکستان کے معمار تھے قائداعظم، میری جان اگر لوگ ایسا کہتے ہیں، محض مضحکہ اڑانے کی نیت سے بھی تو تم اپنی سوچ کا پیمانہ بلند ہی رکھو، اسے لوگوں کا مقصد جلانا ہے، تم جلو گی تو اور جلائیں گے، ان کا کام جو یہی ہے، ابھی تو اس سفر میں اور جانے کیا کچھ سہنا پڑے، حوصلوں کو جوان رکھو، مجھے اپنی بیوی مسکراتی ہوئی پیاری لگتی ہے، خوش خوش اچھی لگتی ہے، سو ایسے رویوں کا جواب نظر اندازی بردباری سے بہتر ہو ہی نہیں سکتا۔“ وہ اس کا گال تھپتھپا کر مسکرایا تھا، فلاح قائل ہونے لگی، ہلکی پھلکی سی ہو گئی، اسے فخر محسوس ہوا، اس کا ساتھی کتنا سمجھتا ہے اسے، کس قدر خیال ہے اسے اس کے احساسات کا، حالانکہ وہ نہیں سمجھ سکی تھی، حیدر نہ صرف مطلبی تھا، بلکہ چاپلوس بھی تھا، اسے اپنا مطلب نکالنا ہوتا تھا بس، اس کام کے لئے وہ کچھ بھی کر سکتا تھا اور فلاح اسے اس کی محبت سمجھتی رہی، اپنے لئے بھی، کپتان کے لئے بھی، حالانکہ محبت تو کہیں بھی نہ تھی، نہ ادھر نہ ادھر، یہاں تو مطلب تھا، مقصد تھا اور خواہش تھی اور بس شادی کے فوراً بعد حیدر کا ٹرانسفر اسلام آباد ہو گیا تھا، فلاح پہ انوکھی افتاد آ پڑی تھی گویا، اس کے ایگزیم نزدیک تر تھے، اتنی جلدی میں مائیگریشن بھی ممکن نہیں تھا، وہ جانا نہیں چاہتی تھی ہرگز بھی، جبکہ حیدر اسے کسی طور بھی یہاں چھوڑ کر جانے پہ آمادہ نہیں تھا۔

”میری اتنے سالوں کی محنت ہے حیدر! پلیز ضد نہ کریں۔“ وہ گویا گڑگڑا رہی تھی، وہ محبتیں لٹا رہا تھا۔

”یہ ہماری زندگی کے بہترین دن ہیں فلاح! میں ہرگز بھی تمہیں انہیں برباد نہیں کرنے دے سکتا اور میں وہاں تمہارے بغیر رہوں گا کیسے؟ سوچو۔“ وہ اس پہ جال پھینک رہا تھا، التفات کے لگاؤ کے محبت کے بے قراری کے، حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ وہ فلاح سے شادی طے ہو جانے کے بعد سے ہی ٹرانسفر کی کوشش میں لگ

گیا تھا، اس کا اصل مقصد ہی فلاح کی تعلیم مکمل نہ ہونے دینا تھا، نہ وہ ڈگری حاصل کر پاتی، نہ جاب کا رولا اٹھتا، فلاح کا اصرار التجائیں یہاں تک کہ خفگی بھی اثر نہ دکھلا سکی، کہ اب کوئی بھی اس معاملے میں اس کا حامی نظر نہیں آتا تھا، بابا جان بھی اسے محض ایک ڈگری کی خاطر اسے شوہر کو خفا کرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے، جبکہ والدہ تو تھیں ہی اس کے فیصلے سے بے نیاز، اس کے معاملوں سے لاتعلق، گویا ان کی خفگی ابھی تلک ختم نہ ہوئی تھی، فلاح بہت بری پھنسی تھی، اس کے آنسوؤں کو دیکھتے حیدر نے وقتی طور پہ اس کا موڈ بحال کرنے کو ایک اور جھوٹا وعدہ کر لیا تھا اس سے، اس وقت ساتھ چلنے پھر ایگزیم کے دنوں میں یہاں آنے اور پیپر دلانے کا وعدہ، اس کو کہاں معلوم تھا ان جھانسوں کا جبھی اس کی باتوں میں پھر آ گئی۔

”پکا وعدہ...... پھر آپ بھیج دیں گے ناں مجھے؟“ وہ یقین دہانی چاہتی تھی، حیدر ہنسنے لگا۔

”شیور یار! اگر تم بن نہ رہ پایا تو خود بھی آ جاؤں گا، ویسے بھی شادی کچھ پرانی ہو چکی ہو گی اپنی اور جاب بھی سیٹ ہو چکی ہو گی۔“ فلاح واقعی مطمئن ہو گئی تھی اور مگن بھی، اسلام آباد کا گھر نیا تھا اور بہت توجہ مانگتا تھا، وہ سیٹنگ اور سجاوٹ میں لگ گئی، شاپنگ کے لئے بھی ہر روز بازار جانا پڑ جاتا کہ نئے گھر میں ہر چیز کی تو ضرورت پڑتی ہے، ذرا سا سیٹ ہوئی تب ہی پڑھائی کا خیال آ سکا، مگر حیدر اسے پڑھنے نہیں دیتا تھا، گویا وہ پہلے سے طے کر چکا تھا اسے کرنا کیا ہے، ادھر وہ کتاب کو ہاتھ لگاتی ادھر حیدر پہ رومینس کا دورہ پڑ جاتا، یا پھر وہ اسے کسی ایسے کام میں الجھا دیتا جو اس کے خیال میں بے حد اہم اور ضروری ہوا کرتا تھا، فلاح اپنی ازلی سادگی میں اس کی اس مکارانہ روش کو سمجھ ہی نہیں سکی، البتہ پڑھائی کا حرج ہوتا پا کر اس نے اسٹڈی کا ٹائم بدل دیا اور دن میں پڑھنے لگی، ساتھ ساتھ ملکی حالات پہ بھی گہری نظر رکھتی اور کڑھتی رہتی، کہیں خودکش دھماکہ کہیں دھاندلی کہیں کرپشن کہیں زیادتی اور سب سے بڑھ کر کپتان کے ساتھ ہونے والی دھاندلی اور پھر انصاف کا نہ ملنا، وہ ہر روز حیدر سے لاکھوں مسائل ڈسکس کرنا چاہتی تھی مگر حیدر کے پاس ٹائم نہیں ہوتا تھا اور جب اس کے ایگزیم کا مرحلہ آیا انہی دنوں حیدر نے دانستہ خود کو بیمار ظاہر کیا اور آفس سے لیو لے کر گھر آ کے پڑ گیا اور اسے لاہور بھیجنے سے انکار کر ڈالا۔

”آپ میرے ساتھ لاہور چلیں حیدر! وہاں بہت لوگ ہیں نا دیکھ بھال کو۔“ وہ ایک بار پھر اپنی ازلی سادگی سے اس سے دھوکہ کھا رہی تھی اور سمجھانے کو مری جاتی تھی، مگر اصل بات سے آگاہ نہیں تھی کہ وہ یہ سب کر کیوں رہا ہے، وہ ایک بار پھر اسے جھانسا دینے لگا۔

”مجھے سب کی نہیں صرف تمہاری دیکھ بھال کی ضرورت ہے فلاح!“ اور ایسی عجیب اور فضول ضد پہ وہ جھنجھلا گئی تھی۔

”یہ کیا بات ہوئی بھلا حیدر! آپ جانتے ہیں میرے ایگزیم کتنے اہم ہیں، محض چند دن، بلکہ چند گھنٹے میں آپ سے دور رہوں گی جب تک سینٹر جانا ہو گا، پیپر کے لئے، باقی ٹائم آپ کا ہو گا، حتیٰ کہ میں مزید تیاری بھی نہیں کروں گی ایگزیم کی۔“ وہ قائل کرنا چاہتی تھی، حیدر برہم ہونے لگا خفا ہونے لگا۔

”عجیب بات ہے تمہیں اپنی اسٹڈی اہم ہو گئی شوہر سے، وہ بھی بیمار شوہر سے۔“ وہ خواہ مخواہ بات کو بڑھا رہا تھا، ایسے لوگ خواہ مخواہ ہی بات کو بگاڑا کرتے ہیں، فلاح دکھ اور غیر یقینی

سے ششدر ہونے لگی، اسے اکثر حیدر کی سمجھ نہیں آتی تھی، آیا وہ اصل میں ہے کیا۔

''آپ کو معمولی ٹمپریچر ہے حیدر! اور میری اتنے سالوں کی محنت داؤ پہ لگی ہوئی ہے، آنے والی زندگی میرے خواب سب داؤ پہ لگے ہیں، پھر میں آپ کو اگنور نہیں کر رہی مگر آپ......''

حیدر نے اس کی بات کا الٹا مطلب لیا، بات بڑھنی نہیں تھی، مگر حیدر نے دانستہ بڑھا لی، شادی کے بعد ان کا باقاعدہ اختلاف ہوا، بلکہ جھگڑا ہوا، اسی جھگڑے میں حیدر نے واشگاف انداز میں پہلی بار خود کو اس پہ آشکار کیا تھا۔

''بس اب یہ ڈرامہ یہاں ختم ہو جانا چاہیے فلاح، تمہیں جان لینا چاہیے کہ میں ہرگز بھی کپتان کا مداح نہیں ہوں، بلکہ سچ پوچھو تو نفرت کرتا ہوں اس بندے سے جسے میری بیوی مجھ سے بھی زیادہ عزیز رکھتی ہے، مجھے کبھی بھی اس شخص سے لگاؤ نہیں تھا، میں ہمیشہ سے نون لیگ کا حمایتی تھا، ہوں اور رہوں گا بھی، جھوٹ اس لئے بولا کہ تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا تھا، فلاح اتنی ہی اچھی لگنے لگی تھیں تم مجھے، بتاؤ کوئی راستہ نہ تھا، پھر کیا کرتا میں؟'' اور فلاح، وہ صدمے سے رنج سے دکھ سے غیر یقینی سے ساکن ہو گئی تھی، بالکل منجمد، قوت گویائی تک سلب ہو گئی تھی، وہ کچھ نہیں بولی تھی، بالکل خاموش ہو گئی، یہاں تک کہ کئی گھنٹے گزرنے کے بعد حیدر کو بھی اس خاموشی سے تشویش گھیرنے لگی۔

''سوری فلاح! تمہیں بہت ہرٹ کر چکا ہوں میں، مگر کیا کرتا میں کہ......'' وہ پھر بھی کچھ نہیں بولی، بس خالی نظروں سے اسے دیکھتی رہی تو حیدر بے بس سا ہوا تھا۔

''ایسے تو مت کرو یار! لڑ لو، جو مرضی کہہ لو مگر......''

''جو دھوکہ دیں، جو حقوق غضب کر لیں، جن پہ اعتماد نہ رہے، انہیں کچھ نہیں بدلا جاتا ہے حیدر! آپ مجھ سے پوچھتے تھے ناں۔'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولتی رکی، آنسو ٹپ ٹپ اس کی آنکھوں سے برسنے لگے تھے، حیدر ہونٹ بھینچے بیٹھا اسے دیکھتا تھا۔

''زندگی کے کسی مرحلے پہ مجھے انتخاب کرنا پڑا، آپ میں اور کپتان میں تو میں آپ کا انتخاب کروں۔'' اس نے ہچکی بھری اور آنسوؤں سے چھلکتی دکھ سے لبریز آنکھوں سے اسے دیکھا، حیدر ایکدم سہم کر رہ گیا، وہ کیا کہنے لگی تھی، اس کا دل رک رک کر دھڑکنے لگا۔

''آپ چاہتے تھے حیدر! میں آپ کا انتخاب کروں، میں نے حامی نہیں بھری تھی، مگر زندگی میں جب یہ مرحلہ آیا، انتخاب خود بخود ہو گیا، نا چاہتے ہوئے بھی، آپ کا انتخاب حیدر۔'' حیدر کا رکا ہوا اٹکا ہوا سانس بحال ہوا تھا، جبکہ وہ اسی بے بسی سے رو رہی تھی۔

''آپ ٹھیک سمجھتے تھے حیدر! عورت کے پیروں میں اپنی زنجیریں ڈال دو، کہاں جائے گی وہ، میں...... میں بھی آپ کی پہنائی زنجیریں نہیں توڑ سکتی، شاید کوئی بھی مشرقی عورت نہیں توڑ سکتی، اس لئے کہ وہ محبت بھروسے اور اولاد کے بغیر نہیں رہ سکتی، چاہے وہ انقلاب تبدیلی اور ترقی کے بغیر رہ لے، یا شاید میں بہت کمزور ہوں کم ہمت کہ اس تبدیلی کے لئے اتنی بڑی قربانی نہ دے سکی۔'' وہ روتی ہوئی اٹھی تھی اور بھاگ کر کمرے میں چلی گئی، حیدر خاموش بیٹھا تھا مگر چہرے پہ اطمینان تھا بہر حال وہ یہ بازی ہارا نہیں تھا۔

☆☆☆

پھر بہت سارا وقت بیت گیا، شاید ایک سال یا اس سے بھی زیادہ، وہ حیدر کے بیٹے کی

ماں بھی بن گئی، اس کا ہر شوق حیدر کی ضد پہ قربان ہوتا چلا گیا، وہ بھی جیسے سب بھول گئی تھی، دانستہ یا غیر دانستہ گھر، گھر داری، گھر والا اور بچہ، اسے اور کچھ یاد ہی نہ رہتا یا پھر اسے اور کچھ یاد کرنے کا موقع ہی نہ دیا جاتا، اتنی باحیثیت پوسٹ تھی حیدر کی، اس کے باوجود گھر کے چھوٹے بڑے سب کام فلاح کے ذمے تھے، وجہ ظاہری بات ہے مصروفیات کا انبار جمع کرتا تھا، یعنی وہ اس کا دماغ فارغ رہنے دینا ہی نہ چاہتا تھا کہ وہ کچھ اور سوچ پاتی، مگر پھر بھی ذرا سی فراغت میں اتفاقاً جس وقت اس نے ٹی وی آن کیا اس وقت کرنٹ افیرز پہ ٹاک ہو رہی تھی۔

کپتان، کپتان کی باتیں، انقلاب اور تبدیلی، کی خواہش، مثبت تبدیلی کی اسے لگا تن مردہ میں جان پڑی ہو، وہ جو اتنے عرصے سے زندہ نہیں تھی زندہ ہوئی ہو، عزم جوش خواہش پھر سے بیدار ہوا، اسے تھرک قحط کا ادراک ہوا، اسے غزہ کے مسلمانوں پہ ظلم نے خون رلا ڈالا۔

اسے حکومت کی بے حسی اور کرپشن کے ساتھ عوام کی بے بسی اور مسائل نے رگیدنا شروع کر دیا، وہ اگر باہر نہیں نکل سکتی، انقلاب برپا نہیں کر سکتی، وہ احساس اسے کیوں محروم ہو گئی، وہ دعا تو کر سکتی ہے، وہ امید تو رکھ سکتی ہے، اس نے امید کا جگنو مٹھی میں دبا لیا، اس نے دعاؤں کی مالا پرونی شروع کر دی، مگر دھچکا اس وقت لگا جب کپتان کے متعلق کچھ لوگوں کے ویوز جانے، اس کا دکھ سے صدمے سے برا حال ہوتا چلا گیا، لوگ کتنا غلط سوچتے تھے، یا پھر انہیں آگاہی نہیں تھی، اس نے محسوس کیا، آگاہی کی اشد ضرورت ہے، اس خیال نے اس کے اندر تحریک پیدا کی، فیس بک پہ اکاؤنٹ تو تھا ہی اس کا، مگر یوز بہت کم کرتی تھی، اس نے ایک گروپ کری ایٹ کیا

''بنے گا نیا پاکستان'' (انشاءاللہ)

اور کپتان کے حوالے سے بریفنگ دینے کے ساتھ وہ تلخ حقائق بھی منظر عام پہ لانے لگی، جن کا انکشاف کپتان اپنے خطاب میں کرتے تھے، اسے خوشی ہوئی تھی، اس کا گروپ پسند کیا جانے لگا، دیکھتے دیکھتے اس کے ممبرز چند دنوں میں ہزاروں سے تجاوز کر گئے، وہ خوش تھی مگن بھی رہنے لگی، اسے اچھی مصروفیات مل گئی تھیں، جو لوگ یہ سمجھتے تھے کپتان کے ساتھ چند ہزار لوگ ہیں، وہ متعصب لوگ تھے، وہ نہیں جانتے تھے کپتان کے ساتھ جتنے لوگ سڑکوں پہ نکلے ہیں، اس سے چار گناہ زیادہ لوگ گھروں میں بیٹھے تھے، مگر وہ کپتان کے حامی تھے، وہ کپتان کو اپری شیٹ کرتے تھے۔

☆☆☆

21 اگست 2014ء

فلاح حیدر

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

کچھ لوگ کہتے ہیں کپتان نے ''سماء'' چینل پہ پیسہ خرچ کیا ہے، ویسے ہی جیسے نون لیگ نے دیگر چینلز کو اپنے حق میں خرید لیا، ''سماء'' چینل پہ اگر یہ صورتحال ہوتی تو کپتان کے خلاف بولنے والوں کو آن ائیر نہ دکھایا جاتا، ایسے کہنے والوں کو صرف ایک جواب دیا جا سکتا ہے، کپتان کو ایسے کام زیبا نہیں، یہ ان کے شایان نہیں، ویسے بھی کچھ لوگوں کا کام صرف تنقید کرنا دوسروں کے بخیے ادھیڑنا ہوتا ہے، چاہے وہ ان کے دوست ہو یا دشمن، وہ کسی کو نہیں بخشتے۔

ویسے بھی تنقید اور تضحیک میں بنیادی فرق ہوتا ہے، تنقید ضمیر کو مخاطب کرتی ہے اور تضحیک غیرت نفس کو، تنقید کا مقصد جاننا اور تضحیک کا

مقصد محض بھڑاس نکالنا ہوتا ہے، تنقید جواب کا مطالبہ کرتی ہے اور تضحیک خاموشی و بردباری کا۔

ویسے بھی جب مقاصد عظیم ہوں تو ان معمولی باتوں معمولی رکاٹوں پہ دھیان نہیں دیا جاتا، مفاد ذاتی نہیں انفرادی نہیں اجتماعی ہوں تو پھر مصائب بھی بڑے اور کڑے ہوا کرتے ہیں، انقلاب قربانی مانگتے ہیں بلکہ قربانیاں، ہم اپنے بچپن سے سنتے آرہے ہیں انقلاب کب آئے گا، جبر کب ختم ہوگا؟ محمد بن قاسم یا ٹیپو سلطان و محمد علی جناح جیسا قائد کب میسر آئے گا، جو ڈوبتے پاکستان کو بچائے گا، اللہ کے حکم مدد اور مہربانی سے، اب جبکہ شب تاریک پہ سحر نو نمودار ہونا شروع ہوئی امید کا ستارہ چمکا اور پاکستان اک عزم کے ساتھ ابھرنے کو ہے، سوئی ہوئی قوم جاگ رہی ہے، نئی نسل جسے گانوں فلموں اور نیٹ سے فرصت نہیں تھی، پاکستان کے لئے ایک ہونے کچھ کرنے کی خواہش مند ہے تو کپتان پہ اس کا الزام یہ لگایا جانے لگا، یہ اسکرپٹ کس نے لکھا جس پہ ایکٹ کیا جارہا ہے؟ اس کے پیچھے کون سی طاقت ہے؟ جبکہ ہم کہتے ہیں۔

لگے رہو کپتان، ہم تمہارے ساتھ ہیں، کہ...... کوئی بھی راست کام اتنی آسانی سے اتنی سہولت سے نہیں ہو جایا کرتا، محنت جدوجہد، کوشش، عمل اور قربانی شرط ہے، لوڈ شیڈنگ کی کثرت کے باوجود بجلی کی بڑھتی قیمت، ملک کی ہر سطح پر بڑھتا کرپشن کا سیلاب، روپے کی گرتی ہوئی قیمت، مہنگائی کا چنگاڑتا ہوا اژدھا، جس نے غریب بے دال روٹی بھی چھین لی، نہیں ایسا پاکستان نہیں چاہیے جبھی نیا پاکستان بنانا چاہتے ہیں، ہم سیاست دانوں کا احتساب چاہتے ہیں، کپتان کا حوصلہ جواں عزم بلند ہے اللہ رکھے، مگر کپتان کے شفاف کردار کو سیاہ کرتوتوں والے سیاست دان برداشت نہیں کر پا رہے، جبھی انہیں اپنے درمیان بھی برداشت نہیں کر سکتے۔

☆☆☆

23 اگست 2014ء

فلاح حیدر، ڈی ڈیکٹ ٹو کپتان

وفا کے رستے کا ہر مسافر
گواہی دے گا کہ تم کھڑے تھے
لہو میں بھیگے تمام موسم
گواہی دیں گے کہ تم کھڑے تھے

آج مجھے بہت ہنسی آرہی ہے، نون لیگ کے اہم رکن شہباز شریف کے بیٹے حمزہ شریف کی ریلیوں پہ ہر بات میں کپتان کو کاپی کیا اور تنقید بھی انہی پہ، محترم کا کہنا تھا، عمران صاحب اپنے جلسوں میں گانے بجواتے اور عورتوں کو نچواتے ہیں، عین اس لمحے ان کے متوالوں نے بھی ٹیپ آن کر دیا، گانا بجا اور ان کی خواتین نے بھی بھنگڑا ڈالنا شروع کر دیا، اسی پہ طرہ یہ کہ حمزہ صاحب بھی ساتھ ساتھ لہک رہے تھے گنگنا رہے تھے، بارش میں بھیگ کر ناچتی ہوئی خواتین و مرد حضرات، ہرگز بھی قابل تحسین منظر نہیں تھا ایسا کھلا قول و فعل کا تضاد، یا پھر یہ لوگ اتنا بوکھلا گئے ہیں کہ کسی بھی عمل پہ حکمت عملی کا بھی موقع میسر نہیں آرہا انہیں، اس پہ حمزہ شریف کا فرمان شاہی کہ خان صاحب تو مجھے ایک ضدی بچہ لگا ہے، جو وزیراعظم کے استعفیٰ کی ضد لگا کر بیٹھ گیا ہے، ان کے اس فرمان شاہی پہ مجھے اپنا نصاب میں پڑھی تاریخ یاد آگئی، کچھ ایسی ہی باتیں قائداعظم کو بھی سننے کو ملی تھیں، آپ بھی دیکھئے، کہ تب حالات اور ایسی بات کے اسباب کیا تھے، کپتان کے ساتھ الیکشن میں تاریخی دھاندلی کی گئی اور چودہ ماہ انہیں الیکشن کمیشن اور عدالتوں میں خوار تو کیا گیا مگر شنوائی نہ ہوئی، جبکہ کپتان آگاہ کرتے رہے

تھے اگر انہیں انصاف نہ ملا تو سڑکوں پہ آئیں گے، مگر توجہ پھر بھی نہ دی گئی، اب جبکہ افضل خان جو الیکشن کمیشن کے اہم عہدے پر فائز رہ چکے ان سے بھی دھاندلی ثابت ہو چکی مگر اکھڑ ضدی اور طاقت کے نشے میں مبتلا حکمران ہر جگہ اثر و رسوخ استعمال کر کے اس بات سے مسلسل منکر ہیں، تب قیام پاکستان سے قبل بھی انتخابات کی رپورٹ کی درہم برہم کر دیا گیا تھا، تاریخ میں اس واقعہ کو ''نہرو رپورٹ اور مسلمان'' کے نام سے یاد رکھا گیا ہے، نہرو رپورٹ کی سفارشات کچھ یوں تھیں۔

جداگانہ انتخابات، نامنظور

پنجاب اور بنگال میں مسلم اکثریت، نامنظور

سندھ کی ممبئی سے علیحدگی، ہاں ناں اگر مگر

مرکز میں مسلمانوں کی ایک تہائی نمائندگی، نامنظور

وفاقی حکومت، نامنظور

ان سفارشات کا ردعمل مسلمانوں پر بہت شدید ہوا، ان کا مطلب یہ تھا کہ راج انگریز کا ہو گا، حکومت کی باگ دوڑ ہندو مہاسبھا کے ہاتھ میں ہو گی، دوسری جانب ہندو لیڈروں نے دھڑوں کی پوری قوت سے ''نہرو رپورٹ'' کے حق میں پروپیگنڈا شروع کر دیا، گاندھی اور جواہر لال نہرو اس میں پیش پیش تھے، اس پروپیگنڈا کی توپوں کا رخ بیرونی دنیا کی طرف تھا، نہایت بے تکلفی بلکہ ڈھٹائی سے کہا جا رہا تھا، کہ نہرو رپورٹ کا تجویز کیا ہوا دستور ہندوستان کی ساری قوموں کا متفقہ مطالبہ ہے، جبکہ یہ بات حقیقت سے دور تھی، مولانا محمد علی جوہر اور قائداعظم محمد علی جناحؒ دونوں نہرو رپورٹ کی اشاعت کے وقت ملک سے باہر تھے، واپس آئے تو انہوں نے جلد ہی محسوس کر لیا، کہ ہندو مسلم مفاہمت کا جو فارمولا دہلی تجاویز کی صورت میں نہایت جانفشانی سے مرتب کیا گیا تھا، ملیامیٹ ہو چکا ہے، لیکن دونوں میں سے کسی نے بھی جلد بازی سے کام نہ لیا، 8 دسمبر 1928ء کے آخری دنوں میں آل پارٹیز کانفرنس کا اجلاس کلکتے میں نہرو رپورٹ پر آخری فیصلے کے لئے بلایا گیا، اس کنونشن میں صرف دو مسلم پارٹیوں نے اپنے نمائندے بھیجے، مولانا محمد علی جوہر اور محمد علی جناح بالترتیب خلافت اور مسلم لیگ کے وفدوں کی قیادت کر رہے تھے، دونوں نے باری باری نہرو رپورٹ میں چند متعدل ترمیمی پیش کیں، تا کہ ان کو تجاویز دہلی سے ہم آہنگ کر دیا جائے، اس موقع پر قائد کی تقریر ان کی زندگی کی بہترین تقریروں میں شمار ہوتی ہے، انہوں نے نہایت نپے تلے اور جذبات میں ڈوبے ہوتے الفاظ میں ملک کے مستقبل کا واسطہ دیتے ہوئے اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت پر زور دیا، لیکن کنونشن کا سارا ماحول دوغلا تھا، ہندو مہاسبھا اس پر چھائی ہوتی تھی، سکھ اس کی حمایت پر تھے، گاندھی گم صم ہو کر بیٹھے تھے، قائد کو کہا گیا، کہ جناح ایک بگڑا ہوا بچہ ہے، آخر یہ کس کی نمائندگی کر رہا ہے؟

کپتان کے مطالبے بھی غلط نہیں، حکومت بے حسی ہو چکی ہے، سب بڑی جماعتیں حکومت کے ساتھ ہیں کپتان کے پیچھے بھی طاقت ہے، وہی طاقت جو قائد کے پیچھے تھی، اللہ کی طاقت، جبھی وہ بھی قائد کے انداز میں حق پہ سچ پہ ڈٹے ہوئے ہیں، کپتان بھی قائد کے الفاظ دہرا چکے ہیں جو قائد نے ایک موقع پہ کہا تھا۔

اب ہمارے اور ان کے (ہندوؤں کے) راستے جدا جدا ہیں اسی انداز میں کپتان کہتے ہیں، ان ہمارے اور ان کے (نون لیگوں کے)

راستے جدا جدا ہیں، کپتان کا موقف ہے، ہم یہاں صرف دھاندلی کی وجہ سے نہیں آئے، دھاندلی تو ہمیں یہاں لانے کا اک بہانہ تھی، ہم یہاں ایک قوم بننے آتے ہیں ہم بغاوت کرتے ہیں اہم نہیں مانتے اس نظام کو، ہم عدلیہ کو آزاد کریں گے انصاف کا بول بالا کریں گے، انشاء اللہ۔

مجھے آپ سے یہ بھی کہنا ہے کہ کپتان نے سول نافرمانی کا آرڈر کیا تو ان پہ پھبتیاں کسی جا رہی ہیں، جبکہ یہاں مایوس کن حالات کے باعث پاکستانی عوام غریب عوام مایوسی کی انتہا پہ جا کر خودکشیاں کر رہے ہیں، اتنے وسائل نہیں جتنے مسائل ہیں، خودکشی نہ کی جائے تو کیا ہو؟ مگر حکمرانوں کو پرواہ نہیں، جائز مطالبات تسلیم نہ ہونے پہ حقوق پورے نہ کیے جانے پہ کپتان نے آئین کی خلاف ورزی کیے بغیر سول نافرمانی کا حکم جاری کیا، یعنی بینکوں سے اپنا روپیہ نکلوانے بجلی کے بل نہ جمع کرانے کا حکم، یہ جائز حکم ہے، قائداعظم نے بھی سول نافرمانی کا حکم دیا تھا، کپتان کو اور خاص کر طاہر القادری صاحب کو خواتین کے ساتھ دھرنا دینے پہ تنقید و تضحیک کا نشانہ بنایا جا رہا ہے، تو میں واضح کر دوں، قائداعظم نے بھی خواتین کو اپنے ساتھ تحریک میں شامل ہونے کا فرمان جاری کیا تھا، مگر اپنی تہذیب میں رہتے ہوئے، ایک بار پھر یہی کہوں گی، تنقید و تضحیک میں فرق ہوتا ہے تضحیک محض بھڑاس نکالنا ہے، جو نکالی جا رہی ہے، جبکہ کپتان کے متوالے کپتان کا حوصلہ بڑھاتے ہیں اور کہتے ہیں۔

تہمتیں تو لگتی ہیں
روشنی کی خواہش میں
گھر سے باہر آنے کی
کچھ سزا تو ملتی ہے
لوگ لوگ ہوتے ہیں
ان کو کیا خبر جاناں
آپ کے ارادوں کی
خوبصورت آنکھوں میں
بسنے والے خوابوں کے
رنگ کیسے ہوتے ہیں
دل کی گود آنگن میں
پلنے والی باتوں کے
زخم کیسے ہوتے ہیں
کتنے گہرے ہوتے ہیں
کب یہ سوچ سکتے ہیں
ایسی بے گناہ آنکھیں
گھر کے کونوں کھدروں میں
چھپ کے کتنا روتی ہیں
پھر بھی یہ کہانی سے
اپنی کج بیانی سے
اس قدر روانی سے
داستاں سنانے اور یقین کی آنکھیں
سچ کے غم زدہ دل سے لگ کے رونے لگتی ہیں
تہمتیں تو لگتی ہیں
روشنی کی خواہش میں
تہمتوں کے لگنے سے
دل سے دوست کو جاناں
اب نڈھال کیا کرنا
تہمتوں سے کیا ڈرنا

☆☆☆

دل صاف ہو نیت نیک
جو چلی ہے اب تحریک تو ہو گا ٹھیک یہ پیارا پاکستان

اسلام آباد گرجتے برستے بادلوں کی زد پہ تھا اور کثرت سے بھیگ رہا تھا، کال بیل کی آواز پہ

فلاح نے ٹی وی آف کیا اور اپنی آئی لاگ آؤٹ کر کے اٹھ کھڑی ہوئی، اس سے پہلے کہ کمرے سے نکلتی حیدر بگڑتا ہوا خود اندر آ گیا تھا، رات کے وقت اچھی خاصی خنکی بڑھ جاتی تھی، اس کے وجیہہ چہرے کے حساس حصوں میں بھی سرخی اتر رہی تھی۔

''میرے کپڑے نکال دو۔'' وہ بے حد سنجیدگی سے بولا تو فلاح کی مسکراہٹ جو اسے روبرو پا کر مچل مچل جا رہی تھی ہنسی میں تبدیل ہو گئی۔

''آ گئے آپ سرکاری نوکری کا بھگتان بھگت کر؟ ریلی میں حاضری نہ لگوانے تو اتنا اچھا عہدہ چھین جاتا آپ سے...... چچ چچ۔'' وہ کھل کھل کر کے ہنستی جا رہی تھی، حیدر نے چونک کر بلکہ اس آگاہی پہ کھسیا کر اسے دیکھا، بلکہ گھورا، مگر وہ خائف نہیں ہوئی۔

''حمزہ شریف کا ذاتی خیال تھا کہ کپتان کے جلسے میں زیادہ تر خواتین ان کی پرسنالٹی سے متاثر ہو کر شامل ہوتی ہیں، انہیں دیکھنے کی خواہش میں، مگر یہ محترم تو ہرگز بھی کپتان جیسے خوبرو نہ تھے، پھر انہیں اتنا کاپی کیوں کر رہے تھے؟'' اسے پتا نہیں کیا سوجھی تھی کہ شرارت سے باز نہیں آ رہی تھی، حیدر کا چہرہ بے تحاشا سرخ پڑ گیا۔

''تم بکواس بند کرو گی فلاح! اور کپڑے دو گی مجھے؟'' اس نے پھنکارتے ہوئے ڈانٹا۔

''اتنا برا کیوں لگ رہا ہے؟ چوری پکڑی گئی آپ کی اس لیے؟'' وہ پھر مسکرائی اگر جو طیش میں ابلتا ہوا حیدر اس کے چہرے پہ الٹے ہاتھوں کا تھپڑ رسید نہ کر دیتا، فلاح تھرا کر پیچھے کی جانب چت ہوئی تھی اور جیسے سناٹوں کی زد پہ آ گئی، متحیر شاکڈ اور سنسناتی ہوئی سماعتوں کے ساتھ، حرکت کرنے کے بھی قابل نہیں رہی، اسے قطعی فوری طور پہ سمجھ نہ آ سکی اس کے ساتھ یہ ہوا کیا ہے جبکہ حیدر کا ابلتا ہوا طیش جنون کا رخ اختیار کر رہا تھا۔

''بد بخت بے شرم عورت! مجھے اندازہ ہوتا تم میری زندگی یوں جہنم بنا دو گی تو کبھی تم سے شادی نہ کرتا، بلکہ غلط تھا میں کہ تمہارے کرتوت جانتے ہوئے بھی شادی کر لی تم سے اور ایک مسلسل عذاب مسلط کر لیا خود پہ، ہر وقت مجھے اذیت دینے کو سوا کیا کیا ہے تم نے؟ تمہارا تو کردار تو مشکوک ہے، ایک غیر مرد کی خاطر تم، اپنے شوہر سے ہر وقت لڑتی رہتی ہو، شیم آن یو۔''

وہ حقارت سے تنفر سے کہتا پلٹ کر چلا گیا، فلاح کی تمام حسیات ہنوز ساکت تھیں، اسے اپنا وجود ہواؤں میں معلق محسوس ہو رہا تھا، ہاں البتہ دل غم سے پگھلتا تھا اور آنکھوں کے رستے درد بہاتا جا رہا تھا، وہ وہیں گری پڑی رہی، باہر بادل گرجتے تھے اور برستے تھے، اندر اس کی ہستی تاراج ہوتی جا رہی تھی، ایک بار حیدر نے پہلے بھی اس کے خوابوں کے تاج محل کو توڑا تھا، وہ برداشت کر گئی، پھر حیدر نے اس کا وجود محصور کر لیا، وہ کچھ نہیں بولی، اب حیدر نے اس کے کردار کو اس کی روح کو نشانہ بنایا تھا، اس سے برداشت نہیں ہو رہا تھا، وہ برداشت نہیں کر سکتی تھی، خود کو سنبھال کر وہ اٹھی تو اک فیصلہ کر چکی تھی، اسے اب یہاں نہیں رہنا تھا۔

☆☆☆

پوچھنے والے تجھے کیسے بتائیں آخر......؟
دکھ عبارت تو نہیں جو تجھے لکھ کر دے دیں
یہ کہانی بھی نہیں ہے کہ سنائیں تجھ کو
نہ کوئی بات ہی ایسی کہ بتائیں تم کو
زخم ہو تو تیرے ناخن کے حوالے کر دیں
آئینہ بھی نہیں کہ دکھائیں تجھ کو
یہ کوئی راز نہیں جس کو چھپائیں تو وہ راز

کبھی چہرے کبھی آنکھوں سے چھلک جاتا ہے
یوں کہ جیسے آنچل کو سنبھالے کوئی
اور تیز ہوا جب چلتی ہے تو شانوں سے ڈھلک جاتا ہے
اب تجھے کیسے بتائیں کہ ہمیں کیا دکھ ہے

وہ لاہور آ گئی تھی حیدر کو بنا بتائے، یہاں آ کر بھی اس نے اپنے اختلاف کے متعلق کسی کو کچھ نہیں بتایا تھا اور خود کو نارمل شو کرنے کے جتن کرتی رہی، حیدر کے نہ آنے کا بہانہ اس نے مصروفیات کر دی تھی، مگر اندر سے وہ ٹوٹتی جا رہی تھی، بات کتنی بنی تھی، کتنی نبھی تھی اس سے قطع نظر وہ خود اندر سے گھل رہی تھی، بکھر رہی تھی، ایک روگ تھا جو لگ گیا تھا، بات کردار پہ آئی تھی، عزت نفس پہ آئی تھی اور سب کچھ داؤ پہ جا لگا تھا، وقت حالات گواہ تھے، اس نے حیدر کی خاطر سب قربان کر دیا تھا، ان قربانیوں کا یہ صلہ؟ وہ حیران تھی، حیدر جتنا بھی سازشی مطلبی یا پھر ڈپلومیٹک سہی، مگر وہ اس حد تک کبھی نہیں گیا تھا، بلکہ ان کے بیچ کبھی ایسا جھگڑا ہوا ہی نہ تھا، وہ اتنا شدت پسند یا اتنا ہارپلی بیو کرے گا اسے ذرا بھی گمان ہوتا تو کبھی اس موضوع کو ہی نہ چھیڑتی، اضطراب ہر لمحہ اس کا دل رگیدتا تھا، سب کچھ ختم ہونے جا رہا تھا، فکر مندی اسے وحشت میں مبتلا رکھنے لگی تھی، لیکن دھیرے دھیرے سہی وہ خود کو سنبھال رہی تھی، اسے بھرم رکھنے کا سلیقہ آ رہا تھا، والدہ یا بابا جان اس سے حیدر کے حوالے سے سوال کرتے وہ بڑے اعتماد سے مطمئن کر دیتی۔

''اسلام آباد کے حالات ٹھیک نہیں ہیں ناں، کنٹینرز لگا کر سارے راستے بلاک کیے ہوئے ہیں حکومت نے، وہ تو میں بہت اداس ہو گئی تھی آپ کے بغیر اتنے عرصے ملی نہ تھی، حیدر نے مجھے بھیج دیا کہ کچھ دن رہ لوں۔'' اس نے سوچ لیا تھا، وہ آہستہ آہستہ ہی اپنے فیصلے کی خبر دے گی گھر والوں کو، ابھی بات نبھ رہی تھی، ٹھیک تھا اس نے جو کچھ قربانی دینی تھی دے دی تھی، جو دینی چاہیے تھی اس میں بخل نہیں کیا تھا، یہاں وہ جھک نہیں سکتی تھی، اگر حیدر اس کو اس پہ اس کے کردار پہ بھروسہ نہیں تھا تو پھر ساتھ رہنے کا بھی کوئی جواز نہیں بنتا تھا، گھر اور دل بھروسے و محبت سے ہی بستے ہیں، اگر بھروسہ اور محبت نہیں تھا، تو کچھ نہیں تھا، ہر کوشش بے کار تھی۔

☆☆☆

27 اگست 2014ء

فلاخ حیدر

ہم دیکھیں گے لازم ہے کہ ہم بھی دیکھیں گے
وہ دن کہ جس کا وعدہ ہے
جو لوح ازل میں لکھا ہے ہم دیکھیں گے
جب ظلم وستم کے کوہ گراں
روئی کی طرح اڑ جائیں گے
ہم محکوموں کے پاؤں تلے
جب دھرتی دھڑ دھڑ دھڑکے گی
جب اہل ظلم کے سر اوپر
جب بجلی کڑ کڑ کڑکے گی
جب اہل خدا کے کعبے سے
سب بت اٹھوائے جائیں گے
ہم اہل وفا مردِ حرم
مسند پہ بٹھائے جائیں گے
سب تاج اچھالے جائیں گے
سب تخت گرائے جائیں گے
بس نام رہے گا اللہ کا
جو غائب بھی ہے حاضر بھی
جو منظر بھی ہے ناظر بھی
اٹھے گا انا الحق کا نعرہ
جو میں بھی کہوں اور تم بھی کہو

اور راج کرے گی خلق خدا
جو میں بھی ہوں اور تم بھی ہو

اگست میں مارچ، بہت زیادہ تنقید کا سامنا، عوامی سطح پہ بھی، اخبارات و چینلز پہ بھی، اگر سراہنے والے، تسلیم کرنے والے لوگ ہیں تو اختلاف کرنے والے بھی بہت زیادہ تنقید کرنے والے بھی، میں یہاں ایک بات کی جانب توجہ ضرور دلانا چاہوں گی، کہ...... متوجہ کرنے اور متاثر کرنے میں بہت واضح فرق ہوتا ہے، متوجہ کسی بھی مضحکہ خیز یا غیر حقیقی حرکت پہ بھی کیا جا سکتا ہے، جبکہ متاثر کرنے کو کوئی کارنامہ انجام دینا انقلاب یا تبدیلی کا برپا کرنا کوئی مثبت ردعمل سامنے لانے کا نام ہے، متوجہ ہونے کی کیفیت وقتی جبکہ متاثر ہونے کی کیفیت بہرحال مستقل ہوتی ہے، اس کی ایک مثال سانحہ ماڈل ٹاؤن تھا، جہاں متوجہ ہی کیا گیا ظلم سے، طاقت سے مظاہرے سے، چودہ لوگ جاں بحق ہوئے اور نوے زخمی کر ڈالے، بات ختم جھگڑا ختم، تاریخ میں یہ یادداشت ہمیشہ تنقید ملامت اور تاسف کا حصہ بنتی رہے گی نون لیگ کے لئے، اگست میں مارچ انقلابی دھرنا، یہ متاثر کن چیز ہے، جس سے بہت لوگ انسپائر ہوئے اور اس انقلاب کا حصہ بن گئے، تاریخ اس باب کو بھی یاد رکھے گی اور اس جہاد کے لئے تحسین پیش کی جاتی رہے گی، اگر ہم سفاکی پہ غور کریں اس حوالے سے، سانحہ ماڈل ٹاؤن کے اس واقعہ میں حکومت کی سفاکی کے حوالے سے جس کے متعلق انکشاف ہو چکا تو ایسی سفاک مثال ہمیں ماضی میں بھی ملے گی، جب قیام پاکستان سے قبل امرتسر میں بھی مسلمان سپاہیوں نے بھی آزادی کا علم بلند کیا تھا تو وہاں کے ڈپٹی کمشنر فریڈرک کوپر نے سکھ دستوں کی مدد سے ایسے تمام مسلمان سپاہیوں کو قتل کر دیا تھا، جن پہ آزادی حاصل کرنے کا شک تھا، جو ظلم وستم ان نہتے مسلمانوں پہ ہوا اس کو خود فریڈرک کوپر بیان کرتا ہے۔

''اسے اتفاق کہیے یا خوش قسمتی سمجھیں کہ جب یہ مسلمان قیدی جمع ہو گئے تو یہ معلوم ہوا کہ یکم اگست کو بقر عید کا تہوار ہے، میں نے مسلمان گھڑ سوار فوجیوں کو امرتسر میں جا کر عید منانے کے لئے کہا اور میں اکیلا عیسائی اپنے وفادار سکھوں کی مدد سے عید کے دن ایک نئی قربانی کے لئے تیار ہو گیا۔''

کوپر کے بیان کے مطابق ان قیدیوں کی تعداد پانچ سو تھی، جنہیں بقر عید کے دن نہایت بے دردی سے ذبح کیا گیا، سانحہ ماڈل ٹاؤن جس میں وزیر اعلیٰ شہباز شریف اور ان کے بیٹے کے ایک آرڈر پہ ایسا ہی سفاکانہ قتل عام سامنے آیا اور چودہ لاشوں کے ساتھ نوے زخمی کر دیئے گئے، وہ نہتے لوگ جو اپنے لیڈر کو ایئر پورٹ پہ ریسیو کرنے گئے تھے اور حکومت کے حکم کی خلاف ورزی پہ کی تھی کہ اپنے لیڈر کو لئے بنا واپس جانے پہ آمادہ نہ تھے، میرا سوال آپ سے صرف اتنا ہے کہ پاکستانیو، خاص کر نون لیگیو......! کیا آپ کو فریڈرک کوپر اور شہباز شریف وحمزہ شریف میں کوئی فرق نظر آتا ہے؟ کیا آپ نئے پاکستان کے حامی اس لئے نہیں بنتا چاہتے کہ آپ ایک مراعات یافتہ طبقہ ہو، آپ کو حکومت کی بداعتالیوں بے انصافیوں اور لوٹ مار سے مسئلہ نہیں ہے؟

آپ کا نظریہ جیو اور جینے دو ہے، آپ کا موقف اپنے لئے جینا ہے تو ٹھیک ہے، ضرور جئیں اپنے لئے کہ یہ آپ کا بنیادی حق ہے، مگر اشرف المخلوقات کا خطاب واپس کر دیں، انسانیت کے درجے سے ہٹ جائیں۔

ماؤس پہ حرکت کرتا ہوا حیدر کا ہاتھ تھم گیا، اس کی نظریں آخری دو فقروں پہ ساکن ٹھہری رہ گئی تھیں، وہ گم صم تھا، کتنی دیر گم صم رہا، معاً کسی خیال چونکتا ہوا وہ اس اسٹیٹ کے آغاز پہ جا پہنچا تھا، فلاح حیدر کے نام نے اس کی خاموشی سنجیدگی اور اضطراب کو اور بڑھا دیا تھا، اس کا وجود کتنی دیر ایک ہی زاویے پہ ساکن رہا تھا، پھر وہ اٹھ کر بستر پہ گیا تو اضمحلال اضطراب کے ساتھ بڑھ رہا تھا۔

☆☆☆

پاگل آنکھوں والی لڑکی
اتنے مہنگے خواب نہ دیکھو، پچھتاؤ گی
سوچ کا سارا اجلا کندن
ضبط کی راکھ میں گھل جائے گا
کچے پکے رشتوں کی خوشبو کا ریشم
کھل جائے گا
تم کیا جانو خواب سفر کی دھوپ کے تیتے
خواب ادھوری رات کا دوزخ
خواب خیالوں کا پچھتاوا
خوابوں کی منزل رسوائی
خوابوں کا حاصل تنہائی
تم کیا جانو
مہنگے خواب خریدنا ہوں تو
آنکھیں بیچنا پڑتی ہیں یا......
رشتے بھولنا پڑتے ہیں
اندیشوں کی ریت نہ پھانکو
پیاس کی اوٹ سراب نہ دیکھو
اتنے مہنگے خواب نہ دیکھو
تھک جاؤ گی

بارش موسلا دھار برس رہی تھی، وہ کھڑکی میں کھڑی تھی، گم صم مضمحل اور کھوئی ہوئی، ابھی کچھ دیر قبل روتے ہوئے عبدالسمیع کو عیشہ لے کر گئی تھی، وہ باپ کو یاد کرتا تھا، اس کے پاس جانے کو بضد تھا، اب تو کتنی بار والدہ نے بھی تشویش ظاہر کر دی تھی، کہ حیدر کیوں نہیں آیا؟ اس کی کال بھی کبھی نہ آئی۔

بلکہ یہ حقیقت تھی کہ وہ مشکوک ہو رہی تھیں، بابا الگ الجھے ہوئے تھے، ایسے میں فلاح کے پاس کوئی چارہ نہ رہا تھا کہ عیشہ کو سب صورت حال بتا دیتی۔

''یہ تم نے اچھا نہیں کیا ہے بجو! ان معاملات پہ برہم ہو کر گھر نہیں اجاڑے جاتے۔''

''میں نے اس معاملے پہ گھر نہیں اجاڑا عیشہ، میں نے ہر جبر کاٹ لیا، مگر الزام نہیں سہہ سکتی، وہ بھی کپتان جیسے بندے کے حوالے سے، جنہیں میں نے ہمیشہ احترام سے سوچا، میں تو خود سے شرمندہ ہوں، کاش حیدر جیسے کم ظرف شخص کے سامنے اس حوالے سے عیاں نہ ہوئی ہوتی میں کہ اس انداز میں میرے جذبوں کو مجروح ہونا پڑتا۔''

وہ ٹھیک کہہ رہی تھی، عیشہ کچھ نہیں بول سکی، جبھی وہاں سے اٹھ گئی تھی، فلاح نے آنکھیں موند لیں، ہونٹ بھینچ لئے، اسے یاد آیا، حیدر جیسا تھا اس کے معاملے میں کتنا حساس تھا، اس کی اداسی کو محسوس کرتا تھا، تو بہلانے کے جتن کیا کرتا اور تب تک ہمت نہ ہارتا، جب تک اس کے چہرے پہ مسکراہٹ نہیں سجا دیتا، وہ شخص اتنا بے حس کیسے ہو گیا تھا، وہ ساری محبتوں سے دستبردار کیسے ہو گیا تھا۔

☆☆☆

بس یونہی چپ ہو جاتا ہوں
کوئی ایسا گہرا دکھ بھی نہیں
جسے دکھ سمجھوں اور تم سے کہوں
بس یونہی چپ ہو جاتا ہوں
کسی اجڑے گھر کی مٹی پر

جب شام ڈھلے
کسی چیل کو سر نہیوڑائے پاتا ہوں
کھو جاتا ہوں
تم پوچھتے ہو کوئی دکھ تو نہیں
میں ایک نظر تمہیں دیکھتا ہوں
اور کہتا ہوں
کوئی ایسا گہرا دکھ بھی نہیں
جسے دکھ سمجھوں
اور تم سے کہوں
جب دیکھتا ہوں ایسا منظر
میں ماضی میں کھو جاتا ہوں
بس یونہی چپ ہو جاتا ہوں

گھر خالی کمرہ خالی، دل بھی خالی تھا، وہ تھی تو کیسے بھرا بھرا گھر لگتا ہوتا تھا، عبدالسمیع کی کلکاریاں گونجتی تھیں تو دل آباد ہو جایا کرتا تھا، وہ باپ بنا تھا تو صحیح معنوں میں محبت کو سمجھا تھا، ورنہ فلاح سے تو جانے محبت اسے تھی بھی یا نہیں، وہ اپنا موازنہ کرنا چاہتا تو اندر ندامت پھیل جاتی، اس نے جانا اسے فلاح کے جذبات سے کھیلنے کا حق نہیں تھا، اسے اب ہی تو معلوم ہوا تھا، اس نے فلاح کے ساتھ دھوکہ کیا تھا اور دھوکہ دینے والے کے ساتھ کتنی نفرت محسوس ہوتی ہے، یہ بھی اس نے اب جانا تھا، جب اس کو دھوکہ دیا گیا، اسے بھی نون لیگ سے نفرت محسوس ہونے لگی تھی، یہ لوگ کرپٹ تھے، دھوکے باز تھے، یہ بات وہ جانتا تھا، ہمیشہ سے جانتا تھا، مگر کبھی اس سسٹم سے نفرت محسوس نہیں کی، اب...... اب جبکہ پروموشن مزید پروموشن کا جھانسہ اسے دیا جاتا رہا، اس کا باپ قومی اسمبلی کا ممبر تھا، یہ سفارش کرتا رہتا تھا، مگر عین وقت پہ اس جگہ یہ عہدہ کسی اور کو دے دیا گیا، وجہ وہی سسٹم کی کرپشن تھی، یعنی اس سے زیادہ قریبی کوئی اس عہدے کا طلبگار ہو گیا تھا، غصہ ختم بھی نہ ہوا تھا، سبکی و خفت بھی ایسی تھی کہ اس بات کو فلاح پہ آشکار نہیں کر سکتا تھا، کہ اگلے دن سونے پہ سہاگہ ہوا تھا، تمام سرکاری ملازموں کو حکومتی آرڈر مل گیا کہ شہباز شریف کی ریلی میں شریک ہونا ہے، چونکہ خواتین کی بھی ضرورت تھی، کارکن تو شامل ہو گئیں، جو پیسے سے خریدی جا سکتی تھیں، وہ بھی باخوشی آ گئیں، اصل مسئلہ اس کے بے تکلف کولیگ کی وجہ سے کھڑا ہوا، جس نے مذاق میں سہی مگر اسے بھی اپنی بہنوں کو ساتھ لانے کو کہہ دیا تھا، اس کے برہم ہونے پہ وہ بھی لحاظ رکھنے کا قائل نہ ہوا اور اس کی شادی کے حوالے سے طعنہ دیتے ہوئے اسے وہ وقت یاد کرانے لگا جب صوحا وغیرہ نے نہ صرف ڈانس کیا تھا بلکہ مووی بھی بنوائی تھی، اب مووی کس کس سہیلی تک گئی یا کس کس نے دیکھی اس کا اعداد و شمار تھوڑی انہوں نے رکھا تھا، بات زبانی کلامی تو تکرار سے مار کٹائی تک بھی پہنچی جو دوسرے لوگوں کی مداخلت پہ بیچ بچاؤ کرا دیا گیا تھا، موڈ تو سوا نیزے پہ تھا ہی اس پہ فلاح کی معمولی سی بات بھی اسے آتش فشاں لاوے کی مانند ابال گئی تھی، جبھی پھٹ پڑا تھا وہ، جب تلک حواس بحال ہوئے کچھ غصہ اترا، نقصان ہو چکا تھا، فلاح جا چکی تھی، اسے احساس ہوا اس نے کس حد تک سطحی گفتگو کی تھی اور کتنے گھٹیا انداز میں الزام تراشی پہ اترا تھا، تاسف و ملال اسے فلاح سے رابطے کی جرأت نہ دیتا تھا اور بڑھتا ہوا وقت اس خلیج کو بڑھاتا جا رہا تھا، طیش میں دکھ میں اس نے جاب سے ریزائن کر دیا تھا، اب سارا دن گھر پہ پڑا رہتا تھا انٹرنیٹ سے حالات جاننے کی کوشش کرتا، اسے اب فلاح کی ایک ایک بات موقف یاد آتا تھا، وہ جیو کے خلاف تھی، اسے جیو نیوز نہیں دیکھنے دیتی تھی، وہ

ضد پہ اتر آتا۔

''سارا دن تمہاری مرضی کا چینل، رات کو میری پسند کا چلے گا۔'' وہ صاف کہہ دیتا، وہ بھی شدت پسند تھا متعصب تھا، جبھی حقیقت کا سامنا کرنے سے خائف رہا کرتا، اب اس نے جیو کے ساتھ دیگر چینلز بھی دیکھے تھے، موازنہ کیا تھا، حقیقت سامنے آتی گئی تھی جیسے جیسے، ویسے ویسے وہ گم صم بالکل گم صم ہوتا گیا تھا، اب نہ ماننا جرم تھا، اخلاقی جرم اور تسلیم کرنا ایگو کی شکست تھی، وہ پتا نہیں کیا بچا پاتا، اخلاقیات، یا پھر انا۔

☆☆☆

دربار وطن میں جب اک دن سب جانے والے جائیں گے
کچھ اپنی سزا کو پہنچیں گے کچھ اپنی جزا لے جائیں گے

اے خاک نشینو اٹھ بیٹھو وہ وقت قریب آ پہنچا ہے
جب تخت گرائے جائیں گے جب تاج اچھالے جائیں گے
اب ٹوٹ گریں گی زنجیریں اب زندانوں کی خیر نہیں
جو دریا جھوم کے اٹھیں گے تنکوں سے نہ ٹالے جائیں گے
کٹتے بھی چلو بڑھتے بھی چلو کہ اب ڈیرے منزل پہ ہی ڈالے جائیں گے
اے ظلم کے مارو لب کھولو چپ رہنے والو چپ کب تک
کچھ حشر تو ان کے اٹھے گا کچھ دور تو نالے جائیں گے

میں نے آج اپنی پارٹی چھوڑ دی، حق اور باطل میں سے حق کو چن لیا، یہ انتخاب بہت مشکل ہوتا اگر مجھے انا سے نجات حاصل نہ ہوتی، اگر مجھے محبت نہ ہوتی، غلطی گناہ نہیں بنا سکتی اگر اس کی اصلاح کر لی جائے، میں نے غلطی سے سیکھا اور خود کو راہ راست پہ لے آیا، میں جو کہتا تھا کپتان غلط کر رہے ہیں، کپتان انتشار پھیلا رہے ہیں، آج میں ہی یہ کہنے پہ مجبور ہوا ہوں کہ کپتان درست راہ پہ ہیں، اگر سمجھا جاتے تو یہ بھی جہاد ہے، قوم کو اک درست مرکز پہ اکٹھا کرنا، انہیں بیدار کرنا، انہیں پرعزم کرنا، جہاد کا ایک طریقہ ہی تو نہیں، جہاد قلم سے بھی ہوتا ہے، جہاد عزم سے بھی ہو سکتا ہے، جو کپتان کر رہے ہیں، جہاد یہ بھی ہو سکتا ہے جس کا آغاز میں نے کیا، کل جس طرح وزیراعظم نواز شریف نے چیف آف آرمی اسٹاف کو ثالث بننے کی گزارش کی، انہی کی گزارش کا احترام کرتے انہوں نے کپتان اور طاہر القادری صاحب سے مذاکرات کیے، یہ خبر میڈیا پہ نشر ہوتی رہی۔

مگر اگلے دن جس طرح وزیراعظم نے بیان بدلا جس طرح کپتان اور طاہر القادری صاحب پہ الزام دھر دیا، کہ انہوں نے ہی جنرل صاحب سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی تھی اور خود اس ساری بات سے مکر گئے، اس نے قوم کو میڈیا کو خود جنرل صاحب کو بھی انگشت بدنداں کر ڈالا۔

وزیراعظم صاحب کو شاید اپنی اخلاقی سطح کی پرواہ نہیں رہی، اس ریشو کے بعد ان کا مورال کس طرح ڈاؤن ہوا کرسی کو بچانے کی فکر میں انہیں اس کا بھی احساس نہیں رہا، یہاں تک کہ پاک فوج کی طرف سے بیان جاری ہوا اور طاہر القادری صاحب اور کپتان عالی شان کو اس الزام سے بری قرار دیتے ہوئے اسٹیٹ منٹ دیا گیا کہ وزیراعظم صاحب نے خود مصالحت کے لئے گزارش کی تھی، میڈیا پہ قوم پہ وزیراعظم صاحب کا کیا تاثر پڑا مجھے اس سے لینا دینا نہیں میں تو

بس اتنا جانتا ہوں، ہوس کی یہ جنگ زیادہ عرصہ تک چلنے والی نہیں، اس کے تمام شہسوار گرنے والے ہیں اور ہمیں ایک نئے پاکستان کی نوید ملنے والی ہے انشاءاللہ۔

☆☆☆

28 اگست 2014ء

حیدر کرار، اسلام آباد

آفیشل پیج، کپتان عالی شان

فلاح نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر یہ اسٹیٹ اور پھر اینڈ پہ ایڈمن کا نام پڑھا تھا، مگر یقین پھر بھی نہیں آتا تھا، اس پیج پہ اسے انوائیٹ کیا گیا تھا، آج اٹھائیس اگست تھا، اس نے تقریباً چوبیس گھنٹے بعد یہ پیج کھولا تھا، یعنی وہ خاصی لیٹ ہو گئی تھی۔

''آئی کانٹ بیلواٹ، یہ کیسے ممکن ہے۔'' وہ بڑبڑائی اور زور سے جھٹکا۔

''کیوں نہیں ہو سکتا؟ تم کیا سمجھتی ہو؟ اخلاقیات اور حق کی پہچان صرف تمہیں ہی ودیعت ہوئی ہے اور کسی کو نہیں ہو سکتی؟ خاص کر مجھے؟'' حیدر کے لہجے میں اس کے انداز میں شکوہ کروٹیں لیتا تھا، فلاح کو دوسرا شدید دھچکا لگا تھا، اس نے تیزی سے گردن موڑی، وہ سامنے کھڑا تھا، سفید عوامی سوٹ پہ سیاہ واسکٹ میں ملبوس، بے حد سنجیدہ، مگر آنکھیں مسکرا رہی تھیں، فلاح ساکن رہ گئی۔

''یقین نہیں آ رہا؟'' وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کر مسکرایا، فلاح نے ہونٹ بھینچ لئے، چہرہ پھیر لیا، اس کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔

''ابھی تک خفا ہو؟'' حیدر اس کی کیفیت سمجھ کر ہی بے قراری سے پھر اس کے سامنے آیا تھا۔

''اہم بات یہ نہیں ہے، اہم بات یہ ہے حیدر کہ آپ شاید مجھے منانے کی خاطر ایک بار پھر دھوکہ دینے چلے ہیں مجھے۔'' اس کی سنجیدگی بے حد خطرناک ہو رہی تھی، حیدر سرد آہ بھر کے رہ گیا۔

''تم نے صرف یہ ہی کیوں سوچا فلاح، کہ میں دھوکہ ہی دوں گا؟''

''اس لئے کہ آپ آل ریڈی ایسا کر چکے ہیں۔'' وہ دبے ہوئے لہجے میں کہتی چیخ پڑی۔

''قرآن پاک میں اللہ فرماتا ہے ''اور حق آ گیا باطل مٹ گیا اور باطل مٹنے کو ہی ہے۔'' ہدایت کا کوئی وقت مقرر نہیں ہوتا ہے فلاح، یہ رب کی عطا ہے، کسی بھی لمحے ہو سکتی ہے، سچائی اثر پذیر ہوتی ہے کبھی بھی اپنا آپ منوا سکتی ہے مجھے خوشی اس بات کی ہے، خدا نے مجھے بہترین بیوی سے نوازا جو حق اور سچ کی علمبردار تو ہے ہی، قربانی دینا بھی جانتی ہے، جس کی سوچ پاکیزہ ہے، جو حدوں کو نہیں پھلانگتی، جو باوقار انداز میں حقوق کی حفاظت کرنا بھی جانتی ہے فلاح، میں تم سے معافی تو مانگتا ہی ہوں، ساتھ میں یہ وعدہ بھی کرتا ہوں میں تمہارے حقوق سلب نہیں کروں گا، تم پڑھنا چاہتی ہو، پڑھو، تم جاب بھی کرو گی تو مجھے اعتراض نہیں ہو گا، لیکن مجھے ایک موقع تو دو اصلاح کا، پھر شکایت ہوئی تو جو چاہیے سزا دے لینا۔'' اس کے ہاتھ تھامے عہد باندھتا ہوا حیدر وہی حیدر تھا، جو اس سے محبت کا دعویدار تھا، مگر وہ حیدر نہیں تھا جو اس کے حقوق سلب کر دیتا تھا، وہ اسے دیکھتی رہی، پھر مسکرا دی۔

''میں آپ کو موقع ضرور دوں گی حیدر مگر میں تعلیم بھی مکمل کروں گی، ڈگری بھی حاصل کروں گی، مگر جاب نہیں کروں گی، کیمرے کے سامنے آنا ٹی وی پہ نشر ہونا مجھے پسند نہیں ہے ہمیں کپتان کے لئے جو بھی کرنا ہے وہ ہم گھر پہ

بیٹھے بھی کر سکتے ہیں۔" وہ عزم سے کہہ رہی تھی، اس کی آواز میں امید ہمکتی تھی، حیدر کچھ نہیں بولا، البتہ سر اثبات میں ہلا دیا تھا، وہ تیس کی رات تھی، جب یہ لوگ اسلام آباد پہنچے، حیدر نے جب گاڑی کا رخ گھر کی بجائے شاہراہ دستور کی جانب کیا تو فلاح چونک اٹھی تھی، اس نے سوالیہ نگاہوں سے حیدر کی جانب دیکھا تھا، جو مسکرا رہا تھا۔

"اس وقت کپتان عالی شان کو ہماری ضرورت ہے بیوی، ہم ان کا بازو بن جائیں گے اس وقت تک وہاں رہیں گے جب تک کپتان کو ہماری ضرورت ہے، جب تک نیا پاکستان نہیں بن جاتا، کپتان میں اللہ کے فضل و کرم سے اتنا اسٹیمنا ہے، مجھ میں بھی ہے، تم میں ہے۔" وہ بالکل کپتان کے انداز میں انہی کے لہجے میں پوچھ رہا تھا، فلاح فرط مسرت و فور جوش سے ہنستے ہوئے رو پڑی اور سر اثبات میں ہلانے لگی۔

"ہم اس جہاد میں شامل ہوں گے، تا کہ آنے والے وقت ہمارے لئے بھی یہ گواہی دے سکیں کہ۔"

لہو میں بھیگے تمام موسم گواہی دیں گے
کہ تم کھڑے تھے
وفا کے رستے کا ہر مسافر گواہی دے گا
کہ تم کھڑے تھے

اور جب گاڑی چھوڑ کر وہ کنٹینرز کی بلند اور دشوار رکاوٹوں کو پھلانگتے اک دوجے کا ہاتھ پکڑے بیٹے کو سنبھالے کپتان کے پنڈال میں داخل ہو رہے تھے، ان کے جذبات بے حد عروج پہ تھے۔

یہ قدم قدم بلائیں
یہ وصال کوئے جاناں
جسے زندگی ہو پیاری
وہ یہاں سے لوٹ جائے

وہاں ایک چھوٹے بچے کا عزم بھی بلند چٹانوں جیسا تھا، وہ مسحور تھی خوش تھی، عشاء کی اذان ہوئی کپتان سمیت جس جس نے نماز ادا کرنی تھی کی گئی، پنڈال میں آج انوکھا ولولہ پایا جاتا تھا، کیونکہ کپتان اہم اعلان کرنے والے تھے، بالآخر کپتان کنٹینرز کی چھت پہ نمودار ہوئے، ان کی تقریر کا ایک ایک حرف اس کے دل کی آواز تھا، حیدر بھی اس کے ہمراہ تھا اور اس کا بیٹا عبد السمیع بھی انقلابی بن کر آیا تھا، کپتان کہہ رہے تھے۔

"قائداعظم محمد علی جناح سے کسی نے کہا، سنو میرے نوجوانو، قائداعظم محمد علی جناح سے کسی نے کہا، "جناح صاحب! آپ کو کیا ضرورت تھی، سیاست میں آکر ذلیل ہونے کی، آپ کے پاس نام تھا، عزت اللہ نے دی ہوئی تھی، پیسہ بھی بہت تھا، پھر کیا حاصل ہوا، الیکشن میں آپ ہار گئے، صرف ایک سیٹ ملی ہے۔"

قائداعظم محمد علی جناح نے جواب دیا، فرمایا۔

"آپ نے ٹھیک کہا، میرے پاس سب تھا، اللہ نے سب دیا تھا مگر ہمارے پاس آزادی نہیں تھی، ہمارے بنیادی حقوق سلب ہو رہے تھے، ہم ہندوؤں سے الگ قوم ہیں، ہم ان کے ساتھ نہیں رہ سکتے۔" میرے نوجوانو، مجھے بھی جب میں سیاست میں آیا کسی نے کہا، یہ ہی کہا، میں نے جواب دیا تھا، ہمارا سسٹم اوپر سے نیچے تک خراب ہو گیا ہے، یہاں بادشاہت قائم ہو گئی ہے، حقوق غضب ہو رہے ہیں، میں پاکستان کی قوم کو پاکستان کے معماروں کو آگاہی دینے انہیں بیدار کرنے آیا ہوں، ہمیں ویسا پاکستان بنانا ہے، انشاء اللہ جس کی جدوجہد قائداعظم نے کی تھی اور

میرے نوجوانو، یاد رکھو جمہوریت یہ نہیں کہ خود تمام مراعات حاصل کر لیں اور عوام کو مہنگائی کرپشن اور بے انصافی کی دلدل میں دھنسا دیں، ہم اس پاک وطن کو ایک اسلامی ریاست بنائیں گے انشاء اللہ، کچھ لوگ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ مجھے اقتدار کا لالچ ہے، جنرل ضیاء نے مجھے 1983ء میں وزارت کی پیشکش کی تھی مگر میں نے ٹھکرا دی، مشرف نے مجھے اتحاد کا مشورہ دیا کہ اتنی سیٹیں تمہیں دے دیں گے، مگر میں غلط نظام کا حصہ نہیں بننا چاہتا تھا، آپ خود فیصلہ کر لیں، مجھے اقتدار کا لالچ ہے یا پھر 87ء میں واقعی ملک کی قوم کی بہتری کا خواہاں ہوں۔" کپتان خطاب کرتے رہے، حیدر جھومتا رہا، سرشار ہوتا رہا، پھر بالآخر وہ اعلان بھی کر دیا گیا، جس کا سب کو انتظار تھا اور جس کے لئے دوپہر میں کپتان سب کو بالخصوص یہاں آنے کی دعوت دے چکے تھے، کپتان نے صرف وزیراعظم کے گھر کے سامنے احتجاجی دھرنا دینے کا ہی حکم نہیں دیا، بلکہ مثالوں سے اسی دھرنے کو آئینی ثابت کرتے ہوئے پولیس سے بھی گزارش کی تھی کہ وہ انہیں نقصان نہ پہنچائیں، پولیس کے لئے نیک جذبات کا اظہار کرتے ہوئے کپتان نے بالخصوص کہا تھا کہ وہ پولیس بھی ان کی اپنی ہے، یہ لوگ پاکستانی ہیں اور سب ایک قوم ہیں وغیرہ، کپتان کے اس اعلان کے بعد کراؤڈ میں یکدم جوش و خروش بڑھ گیا تھا، کپتان کے خطاب کے بعد دعا ہوئی تھی، اس کے بعد دونوں جماعتوں کے لیڈرز نے ایک بار پھر بالخصوص اپنے کراؤڈ سے پرامن رہنے کی پرزور تاکید کی تھی، یہ جماعتیں اس پرامن انداز میں جیسا کہ سترہ دن پرامن احتجاج کرتی رہی تھیں، وزیراعظم ہاؤس کی جانب پیش قدمی کرنے لگے، ان کے راستے میں پولیس کے دستے تھے، کنٹینرز تھے ایک کنٹینر ہٹا دیا گیا، پولیس نے مداخلت نہیں کی، مگر جیسے ہی مظاہرین نے دوسرا کنٹینر ہٹانا چاہا، ان پہ ایک دم سے شیلنگ کی جانے لگی، صرف یہی نہیں کپتان کی جماعت کی جو خواتین اور بچے کپتان کے آرڈر پہ ہی وہیں اسی جگہ پہ ٹھہر گئے تھے ان پہ بھی پولیس نے دھاوا بول دیا، نہتے لوگ اور ہتھیاروں سے لیس پولیس کی یلغار ایکسپائر ہوتے ہوئے آنسو گیس کے شیلنگ جو دم گھٹنے کا باعث تھی، مفلوج کرنے کی صلاحیت رکھتی تھی، جس پہ امریکہ کی مہریں ثبت تھیں اتنی شدت سے فائر کیے گئے کہ لمحوں میں وہ پرامن پرجوش اور خوشگوار ماحول تبدیل کرنے کا باعث بن گئیں، اب وہ وسیع سبزہ زار میدان جنگ کا منظر پیش کر رہے تھے، جہاں کچھ دیر قبل اس کے خوشی کے نغمے گونجتے تھے، دعاؤں کی برکتوں کا نزول تھا، اب ایسا لگتا تھا، آنکھیں کشمیر یا فلسطین میں کفار کی چڑھائی ملاحظہ کر رہی ہیں، ایسے ہی مناظر تھے ہر سو ربڑ کی گولیاں فائر کی جاتی رہیں مرد بدحواس ہو کر عورتوں بچوں کی جانب بڑھے اور نقصان ہوتا رہا، چیخیں ہنگامہ شور اور اذیت صرف اذیت، ہفتہ 29 اگست پاکستان کی تاریخ میں سیاہ رات سیاہ دن کے طور پہ رقم ہو گیا، قیامت صغریٰ کا منظر دیکھنے والوں کو خون رلاتا رہا کئی صاحب اقتدار بھی تڑپ اٹھے، مگر فرعون وقت کا دل پھر بھی نہیں کانپا، پاکستان کی تاریخ میں اس ظلم کے بعد پہلی بار اہل دل نے مارشل لاء کی چاہ کی، مگر آمر وقت نے ایسی نوبت نہیں آنے دی۔

☆☆☆

30 اگست اتوار 2014ء

قیامت خیز رات گزر گئی تھی، خون آلود دن طلوع ہو چکا تھا، بیشتر خواتین اور بچے مرد بوڑھے

زخمی ہو چکے تھے، اپنوں کا اپنوں پہ ڈھایا جانے والا ظلم دشمن کی خوشی کا باعث تھا، مگر انسانیت لرز رہی تھی، آمر وقت مزید طاقت کے استعمال کی جانب سے مختلف بیان نشر ہو رہے تھے، دھرنے کا شرکاء پہ پولیس کا جبر اور ستم جاری تھا، لوگ بھوکے تھے، مگر کربلا کی تاریخ کو پھر زندہ کر دیا گیا تھا، یزیر وقت نے ان مظلوم لوگوں کے لئے پانی اور کھانے پہ پابندی لگا دی تھی، اس پہ ستم مزید پولیس کے تازہ دم دستے وہاں تعینات کیے جا رہے تھے، کپتان بار بار اپیل کر رہے تھے کہ لوگوں کے لئے کھانے اور پینے کی چیزیں آنے دیں مگر شنوائی ہو کر نہیں دیتی تھی، ساٹھ سالہ کپتان جو کل تک ایک دم شیر کی طرح نظر آتے تھے، اس سانحے کے بعد جیسے یکلخت بوڑھے ہو چکے تھے، میڈیا چلا رہا تھا، آمر وقت نے کرسی کی حفاظت کی خاطر وہ کر دکھایا تھا جو کسی کے سان و گمان تلک بھی نہیں تھا، میڈیا کا ہی یہ بھی انکشاف تھا کہ ہاسپٹلز سے لاشیں غائب کروا دی گئی تھیں، 744 پولیس آفیسرز نے اس ظلم کی داستان کا حصہ بننے سے انکار کرتے ہوئے ڈیوٹی نبھانے سے انکار کر دیا تھا، مگر حوصلے دھرنے کے شرکا کے پھر بھی جوان تھے، ہر کوئی دکھ سہہ کر غم سینے سے لگا کر بھی پر عزم نظر آتا تھا، نئے پاکستان کے حصول کے لئے، انہی میں حیدر کرار بھی تھا، جس سے گزر جانے والی رات نے عظیم خراج وصول کیا تھا، ان کا پیارا عبدالسمیع اس انقلاب میں شہادت کا جام پینے والا سب سے چھوٹا ننھا شہید تھا، شدید شیلنگ سے اٹھنے والے جان لیوا دھویں نے بچے کا سانس روک دیا تھا، جو پھر بحال نہیں ہو سکا، فلاح بچھاڑیں کھاتی تھی، جبکہ حیدر کا حوصلہ کمال ضبط تھا۔

''میری وجہ سے...... یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے حیدر!'' وہ تڑپی تھی، وہ سسکی تھی، حیدر نے اس حوصلے سے اس کے سر پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

''حضرت امام حسینؓ کا فرمان ہے، حق کے لئے جتنی دیر سے کھڑے ہو گئے اتنی بڑی قربانی دینی پڑے گی'' حقیقت ہے بالکل، میں نے بہت دیر کر دی تھی فلاح، میرے بیٹے سے بڑھ کر میرے پاس کچھ قیمتی نہیں تھا، لیکن ہمت نہیں ہارو، اللہ مزید اولاد سے نوازے گا، انقلاب قربانی کے متقاضی ہوا ہی کرتے ہیں، انقلاب خون مانگتا ہی ہے اور ہم ہر قربانی دینے کو تیار ہیں اللہ کے فضل و کرم سے نیا پاکستان ضرور بنے گا۔'' وہ عزم سے کہہ رہا تھا، فلاح ساکن رہ گئی، وہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھی، حیدر اتنے بڑے حوصلے اور ظرف کا مالک ہو گا، حیدر نے ہاتھ بڑھا کر اس کے گال پہ اٹکے آنسو کو اپنی پوروں پہ محفوظ کر لیا، مسکرایا اور اس کا دھیان سامنے کی جانب مبذول کرایا، جہاں کپتان اپنے عوام کا حوصلہ بڑھانے کو ایک بار پھر خطاب کر رہے تھے۔

''آپ نے اگر سیاست میں دین سے کوئی رہنمائی نہیں لینی اور دینی نظام بھی نافذ نہیں کرنا تو کم از کم اتنا تو کر سکتے ہیں کہ ایک امریکہ نواز لیڈر سے دور رہیں، جو شخص خود کو اوباما جیسا کہتا ہے اور امریکہ کو انسانی حقوق کا علمبردار کہتا ہے، اس کے ساتھ اتحاد کیا معنی سمجھا جاتے؟ کیا امریکہ کے جرائم نظر انداز کر دیں؟ کیا امام خمینی کا قول نظر انداز کر دیں کہ امریکہ شیطانی بزرگ ہے، کیا دابیر کا فرمان نظر انداز کر دیں کہ امریکہ اسلام کا پہلے نمبر کا دشمن ہے، ایک شخص جو کہتا ہے کہ میں خمینی کی طرح نہیں ہوں (ہو بھی نہیں سکتا) بلکہ اوباما کی طرح ہوں، اس کے امریکہ نواز ہونے میں کیا شک؟ ایسا شخص پاکستان کو امریکہ کی مزید چراہ گاہ نہیں بنا دے گا خدانخواستہ یاد رکھو نوجوانو، اگر اب یہ حکومت بچ گئی تو اس حکومت کے تکبر اور رعونت میں مزید اضافہ ہو جائے گا، انقلاب خون مانگتا ہے یہ آدھا سچ ہے انقلاب سے پہلے نظریہ مانگتا ہے، نظریہ کے بغیر جتنا مرضی خون بہا لیں فائدہ نہیں ہو گا، میدان میں حاضر رہنا چاہیے یہ کامیابی کا آدھا فارمولا ہے میدان میں حاضری کا مقدمہ اگر بیداری نہ ہو تو یہ ایسا ہی ہے جیسے نیند میں چلنا، پاکستان بنے 67 سال ہو گئے، پاکستان کو لٹتے بھی 67 سال ہونے کو آئے، ہم نے نظریہ آپ کو دے دیا، جمہوریت یہ نہیں ہے، جس کا مظاہرہ وقت کے آمر نے کیا ہے، جمہوریت یہ ہے کہ اگر وزیراعظم ایک جھوٹ بھی بول دیتا ہے تو اسے مستعفی ہونا پڑتا ہے، ہم یہاں ہیں ہم یہاں سے نہیں جائیں گے جب تک ہمارا مطالبہ پورا نہیں ہوتا، ہم سب مل کر نیا پاکستان بنائیں گے انشاء اللہ۔''

''انشاء اللہ یہ خواب ضرور شرمندہ تعبیر ہو گا، روشنی کی خواہش میں جو سفر شروع ہوا، اس کی منزل اب زیادہ دور نہیں۔'' حیدر نے پر عزم انداز میں کہا تھا اور فلاح کو دیکھا جو اسے ہی دیکھ رہی تھی، امید کی روشنی اس کی آنکھوں میں بھی پھر سے جھلملانے لگی تھی۔

''ہم بھی یہیں ہیں کپتان عالی شان، ہم بھی یہاں سے نہیں جائیں گے، تب تک جب تک حقوق حاصل نہیں ہوتے، جب تک نیا پاکستان نہیں بن جاتا۔'' وہ سرگوشی سے مشابہہ آواز میں کہہ رہا تھا۔

''انشاء اللہ!'' فلاح نے بھیگی مسکراہٹ سے کہا اور اپنا سر اس کے شانے سے ٹیک دیا، دور آسمان پہ چاند زرد تھا، مگر تھکا ہوا نہیں، اندھیرا ختم ہونے کو تھا، امید بر آنے کو تھی، نیا سورج نکلنے کو تھا، تبدیلی آنے والی نہیں تھی، تبدیلی آ چکی تھی۔

قارئین کرام! یہ تحریر مصنفہ کی فرمائش پر شائع کی جا رہی ہے، اس کے مندرجات مصنفہ کی ذاتی رائے ہے، ادارہ کا ان خیالات سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

☆☆☆